



پی آئی بی کالونی

باب 1 - نہ ختم ہونے والا راستہ

...ہوا کی خشک سرسراہٹ
—شو—ششششش

رات کے اندھیروں میں ایک عجیب سا بوجھ تھا۔
کالی گھنی بدلیوں نے چاندنی کو نگل رکھا تھا
گویا آسمان پر کوئی سیاہ چادر تنی ہو۔

باشم کے بوٹ کچی سڑک پر رگڑ کھا رہے تھے
بر قدم کی آواز حد سے زیادہ گونج رہی تھی۔
گاؤں کے بازار سے شام کو تھوڑا سامان لینے نکلا تھا
سوچا تھا تھوڑی دیر میں واپس گھر پہنچ جاؤں گا۔
...لیکن آج
یہ راستہ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

...کڑچ... کڑچ... کڑچ

اس کے اپنے قدموں کی چاپ ہی واحد آواز تھی۔
نہ جھینگڑ کی ٹر ٹر
نہ کتوں کے بھونکنے کی گونج۔
بس ٹھنڈی ہوا کی ہلکی سرسراہٹ جو خشک درختوں کو چھو رہی تھی۔

باشم رکا۔

،چوبیس سالہ مضبوط جسم
،چھ فٹ کا قد، چوڑے کندھے
بازار کی سبزیاں والا تھیلا ہاتھ میں تھامے وہ پریشان نظروں سے اندھیرے کو دیکھنے لگا۔
گاؤں کی بتیاں اب تک نظر آ جانی چاہییں تھیں۔
لیکن وہ تقریباً چالیس منٹ سے چل رہا تھا
—اور سڑک اب بھی ویسی ہی تھی
لمبی، سیدھی اور ختم نہ ہونے والی۔

”ابھی... ابھی پہنچتا ہوں گھر“
اس نے ہلکی سی جھنجھلاہٹ سے بڑبڑایا
سانس ٹھنڈی ہوا میں دھند کی طرح اڑ رہی تھی۔
یہ راستہ لمبا کیوں ہوتا جا رہا ہے؟

...کڑچ... کڑچ

سڑک کے دونوں طرف کے درخت جیسے اندر کی طرف جھکنے لگے
ان کی ٹیڑھی شاخیں آپس میں جڑ کر آسمان کو ڈھانپ رہی تھیں۔
باشم کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔
اس نے تھیلے کا پٹہ مضبوطی سے پکڑا
بازوؤں کی پٹھیاں ہلکی روشنی میں ابھر آئیں۔

—پھر

...ٹک... ٹک

ایک مدھم کھٹکھٹانے کی آواز۔
درختوں کے پیچھے کہیں سے آ رہی تھی
آہستہ، مگر بالکل واضح
جیسے کوئی نامعلوم دروازہ بجا رہا ہو۔

باشم ساکت ہو گیا۔
آواز بھی فوراً رک گئی۔
خاموشی نے پھر سب کچھ ڈھانپ لیا۔

”کون ہے؟“ اس کی بھاری آواز گونجی
مگر رات کے اندھیرے نے فوراً نگل لی۔
کوئی جواب نہیں۔
بس ہوا کی کھوکھلی سیٹی۔

اس نے گہری سانس لی اور قدم تیز کر دیے۔
بوٹوں کی رگڑ اب بے قابو سی لگ رہی تھی۔
مگر جتنا چلتا گیا

—سڑک وہی رہی
ٹیڑھی میڑھی کچی راہ
جس کے دونوں طرف سیاہ درخت اپنی لمبی سیاہ شاخیں پھیلانے کھڑے تھے۔

—شو—ششششش

ہوا اچانک ٹھنڈی ہو گئی۔
سبزیوں کا تھیلا ہاتھ میں وزنی لگنے لگا
جیسے کوئی ان دیکھی طاقت اسے نیچے کھینچ رہی ہو۔

باشم کے گلے میں ہلکی سی گھبراہٹ اتر آئی۔
وہ مضبوط تھا

، مافوق الفطرت باتوں پر یقین نہیں رکھتا تھا
لیکن اب دل کے اندر کہیں گہری جگہ ایک پرانا خوف جاگ اٹھا تھا۔

دور ایک مدھم روشنی ٹمٹمائی۔

چاندنی جیسی نہیں

، بلکہ ہلکی نیلی سی چمک

جیسے پانی پر جھلملاتی روشنی۔

”...آخر کار“

ایک لمحے کو اس کے چہرے کے تاثرات نرم پڑے۔

، مگر جیسے ہی قریب پہنچا

، اسے احساس ہوا کہ یہ روشنی کسی گھر کی نہیں

، بلکہ ایک تنگ جنگلی پگڈنڈی کی ہے

ایسی پگڈنڈی جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

—اس راستے کی فضا مختلف تھی

ٹھنڈی، نم اور گیلی مٹی کی مہک سے بھری۔

درختوں کے اندر کہیں سے ایک مدھم گونج سنائی دے رہی تھی

ایسی جو آواز کم اور جسم میں اترتی لرزش زیادہ لگے۔

باشم رکا۔

پیچھے کا راستہ نہ ختم ہونے والے اندھیرے میں غائب تھا۔

آگے یہ جنگل کی سانپ جیسی بل کھاتی راہ

اپنی ٹھنڈی سانس کے ساتھ اسے اندر بلانے لگی۔

...ٹک... ٹک... ٹک

کھٹکھٹاہٹ پھر ابھری۔

اب کے بار بہت قریب۔

بالکل اس کے پیچھے۔

—باشم نے چونک کر مڑ کر دیکھا

پیچھے سناٹا۔

، نہ کوئی انسان

، نہ کوئی جانور

بس درختوں کی مدھم جنبش۔

، دل نے کہا بھاگ جاؤ

لیکن ایک اور انجانی طاقت نے

اسے جنگلی راستے کی طرف کھینچ لیا۔

، اس نے تھیلے کا پٹہ مضبوط کیا

، گہری سانس لی

اور پگڈنڈی پر قدم رکھ دیا۔

جنگل نے اسے اپنے اندر سمو لیا۔

—شو—ششششش

پتے اس کے کندھوں کو چھوتے گزر رہے تھے۔

، گونج اب زیادہ تیز تھی

ایسی جیسے زمین کے اندر سے کوئی کمزور دھڑکن اُبھر رہی ہو۔
راستہ ٹیڑھا میڑھا تھا
جڑیں سیاہ سانپوں کی طرح مٹی سے باہر نکلی تھیں۔

کب منٹ گزرے، کب گھنٹے
وقت اپنی پہچان کھو بیٹھا۔

پھر دھند کے پیچھے سے
روشنی جھلملائی۔
یہ لیمپ کی زرد روشنی تھی
ایسی جیسے کسی آباد بستی کی۔

—دھند کے کنارے مکانوں کے خدوخال اُبھرے
پرانے گھر
کچھ کے رنگ اکھڑے ہوئے
کچھ کی کھڑکیاں دبیز پردوں سے ڈھکی۔

یہاں ایک کالونی تھی۔
گہرے جنگل کے بیچ چھپی ہوئی۔

باشم کی سانس رک گئی۔
یہ جگہ... جیتی جاگتی لگ رہی تھی۔
کہیں دور برتنوں کی مدھم کھڑکھڑاہٹ
دھیمی سرگوشیوں جیسے مکالمے
پرانے لکڑی کے دروازوں کی چرچراہٹ سنائی دے رہی تھی۔

ایک ٹوٹا ہوا بورڈ جھکے ہوئے دیوار کے سہارے رکھا تھا۔
پینٹ اکھڑ چکا تھا
مگر مدھم روشنی میں کچھ حروف صاف جھلک رہے تھے

"پی آئی بی کالونی"

کھٹکھٹانے کی آواز یکدم غائب ہو گئی۔
گونج تھم گئی۔
بس لیمپوں کی ہلکی بھنبھناہٹ باقی رہی۔

باشم نے ہچکچاتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھایا۔
جیسے ہی اس کا بوٹ کالونی کی ٹوٹی اینٹوں والی زمین پر پڑا
—ہر لیمپ نے اچانک جھپک کر بجھ جانا شروع کر دیا
—! زرزرزک
اور گہرا اندھیرا چھا گیا۔

...ٹک... ٹک... ٹک
اس بار کھٹکھٹانے کی آواز کالونی کے اندر سے آئی۔
سسست
سوچی سمجھی

یوں جیسے ہر گھر کے دروازے پر
ایک ساتھ کوئی دستک دے رہا ہو۔

باشم پتھر کی طرح جم گیا۔
اس کی نیلی آنکھوں میں بجھتی لائٹوں کی ہلکی جھلک باقی تھی۔

،اندھیرے کے بیچ
—کہیں دور ایک نرم، مگر انسانی سی آواز ابھری
”...گھر میں خوش آمدید“

باب دوم - پہلی رات

...ہوا کا سناٹا
...کڑکڑاہٹ
...ہلکی سی بھنبھناہٹ

باشم کے قدم دھیرے دھیرے کالونی کی خالی گلی میں پڑ رہے تھے۔
،ہر قدم کے ساتھ دھند اس کے اردگرد گہری ہوتی جا رہی تھی
جیسے رات نے سانس روک رکھی ہو۔
—ہر طرف پرانے مکانوں کی قطاریں تھیں
،کچھ کے دروازے ٹوٹے ہوئے
،کچھ کی کھڑکیاں اندر سے بند
اور ہر مکان کے اوپر ٹمٹماتی پیلی لائٹیں جو بجھتے بجھتے
مدھم سا اندھیرا پھیلا رہی تھیں۔

باشم نے نظریں دوڑائیں۔
،کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا
مگر کہیں نہ کہیں زندگی کی ہلکی سی سرگوشی محسوس ہو رہی تھی۔
،پانی ٹپکنے کی مدھم آواز
...کہیں دور لکڑی کے تختے کے چرچرانے کی ہلکی کھڑک

...کڑچ... کڑچ
اچانک اس کے بائیں جانب کی گلی میں کوئی قدموں کی آواز گونجی۔
وہ چونک کر رکا۔

کون ہے؟“ اس کی آواز خالی مکانوں کے بیچ گونجی اور واپس لوٹ آئی۔“

،چند لمحے بعد
دھند میں سے تین سایے ابھرے۔
،ایک درمیانی عمر کا مرد
اس کے ساتھ ایک دہلی پتلی عورت اور ایک کم عمر لڑکی۔
،مرد کے ہاتھ میں ٹمٹماتی لائٹیں تھیں
روشنی ان کے چہروں کو نیم روشن کر رہی تھی۔

تم... کون ہو؟” مرد نے دھیمی مگر سخت آواز میں پوچھا۔
،باشم نے جھجکتے ہوئے بتایا
”میں... گاؤں کا ربائشی ہوں۔ جنگل سے یہ راستہ ملا تھا... میں راستہ بھٹک گیا تھا۔“

مرد کی آنکھیں تیز ہو گئیں۔
”کیا تمہیں پتا ہے کہ سورج ڈوب چکا ہے؟“

باشم نے حیرانی سے سر ہلایا۔
”—ہاں، مگر“

مرد نے اس کی بات کاٹی۔
تو پھر جلدی سے ہمارے ساتھ چلو۔“
”ایہاں رات کو باہر رہنا... خودکشی ہے

باشم کے جسم میں ایک عجیب سا سنّا اتر گیا۔
اس نے سوال کرنے کی کوشش کی مگر
مرد نے اس کا بازو پکڑ کر زور سے کھینچا۔

وہ سب ایک پرانے مگر مضبوط مکان کے اندر داخل ہوئے۔
دروازہ بند کرتے ہی مرد نے
ایک بھاری لوہے کی سلا کھینچ کر گُنڈی لگا دی۔
عورت نے فوراً کھڑکیوں کے پٹ بند کر دیے۔

باشم حیرت سے سب دیکھتا رہا۔
”یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“

مرد نے گہری سانس لی۔
میرا نام شفیق ہے، یہ میری بیوی سائرہ اور بیٹی ہادیہ ہے۔“
یہ جگہ... پی آئی بی کالونی ہے۔
”اور اب تم... اس کے قیدی ہو۔“

باشم کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔
”قیدی؟ مطلب؟“

،سائرہ نے دھیمی آواز میں کہا
...یہاں ایک قانون ہے
رات کو کوئی بھی انسان گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔
،نہ دروازہ کھول سکتا ہے
”...ورنہ
اس کی آنکھوں میں خوف تیرنے لگا۔

ورنہ کیا؟” باشم نے کانپتی آواز میں پوچھا۔“

شفیق نے دھندلے شیشے کی طرف اشارہ کیا۔
”...ورنہ وہ آ جاتے ہیں“

...ٹک... ٹک... ٹک

دروازے پر اچانک کھٹکھٹاہٹ گونجی۔
ایسی کھٹکھٹاہٹ جیسے کوئی دھیرے دھیرے
انگلیوں کے پوروں سے لکڑی پر دستک دے رہا ہو۔

باشم کے رگ و پے میں بجلی سی دوڑ گئی۔
سائره نے فوراً لالٹین کی روشنی ہلکی کر دی۔
بادیہ ماں کی گود میں سمٹ گئی۔

خاموش رہو! ”شفیق نے سرگوشی کی۔“
”جو بھی سنو... جواب مت دینا۔“

...ٹک... ٹک

کھٹکھٹاہٹ تھم گئی۔
چند لمحوں کی خاموشی کے بعد
ایک نرم، میٹھی سی عورت کی آواز آئی

شفیق بھائی... دروازہ کھولو نا۔“
میں زینت ہوں... یاد ہے نا؟
”...بارش میں بھیگ گئی ہوں... صرف ایک لمحے کے لیے اندر آنے دو

باشم نے چونک کر شفیق کی طرف دیکھا۔
”ایہ تو... انسان لگ رہا ہے“

شفیق کے چہرے پر سختی آ گئی۔
یہ انسان نہیں۔“
یہ وہ ہیں... جو ہماری شکلیں اور آوازیں لیتے ہیں۔
”دروازہ کھولو گے تو... موت ہے۔“

باشم کے حلق میں سانس اٹک گئی۔
—بابر وہی میٹھی آواز بار بار پکارتی رہی

”...دروازہ کھولو... تھوڑی دیر کے لیے“

پھر اچانک آواز ٹوٹی،
—اور ایک خوفناک گرج میں بدل گئی

—کککک—ررررر—ررررر

دروازے کے پٹ لرزے لگے،
کھڑکیاں ہلنے لگیں،
گویا کوئی نہ دکھائی دینے والی طاقت
پوری قوت سے حملہ کر رہی ہو۔

باشم کے کان سنسنا اٹھے۔
سائره نے بادیہ کو مضبوطی سے گود میں دبا لیا۔
شفیق نے دونوں ہاتھوں سے دروازے کی کُندئی تھام لی۔

پھر جیسے اچانک کوئی سوئچ آف ہو گیا ہو
سب کچھ خاموش۔
نہ آواز، نہ جنبش۔

صرف ہاشم کا دھڑکتا ہوا دل
جس کی دھڑکن کمرے کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔

شفیق نے گہری سانس لی۔
اب تم سمجھ گئے ہو گے۔“
یہی وجہ ہے کہ رات کو دروازہ نہیں کھلتا۔
...یہ مخلوق انسان نہیں
لیکن ہماری ہر کمزوری جانتی ہے۔
...یہ ہمیں بلاتی ہے، بہلاتی ہے
”اور پھر پھاڑ کھاتی ہے۔

ہاشم خاموش بیٹھ گیا۔
اس کے ذہن میں گاؤں کا سیدھا سا سفر
ایک خوفناک بھول بھلیوں میں بدل چکا تھا۔

رات ابھی باقی تھی۔
کھڑکیوں کے پار اندھیرا
ایک زندہ وجود کی طرح حرکت کر رہا تھا۔
اور ہاشم کو یہ احساس ہو رہا تھا
...کہ اس کی یہ پہلی رات
محض آغاز ہے۔

باب 3 - ہاشم کی ضد

ہوا میں نمی کی ایک عجیب سی بوجھل مہک گھل چکی تھی۔
کالونی کی گلیاں کالی سیاہی کی طرح گہری اور خاموش تھیں۔ PIB رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔
کہیں کہیں پرانے لکڑی کے درختوں کی شاخیں ہلکی ہوا کے جھونکوں سے چرچر کر رہی تھیں
جیسے کوئی بہت پرانا راز سرگوشیوں میں بیان کر رہا ہو۔

ہاشم ایک ٹوٹی کرسی پر بیٹھا اپنی بھاری سانسوں کو قابو میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔
کچھ ہی دیر پہلے اُس نے ایک ایسے خواب سے آنکھ کھولی تھی
جو خواب نہیں بلکہ ایک ناقابلِ برداشت حقیقت لگ رہا تھا۔
اُس خواب میں وہ جنگل کے راستے پر دوڑ رہا تھا
اور پیچھے سے کسی کے ہنسنے کی آواز بار بار گونج رہی تھی۔
وہ آواز نہ مردانہ تھی نہ زنانہ
بلکہ کسی نامعلوم مخلوق کی تھی
جس کے ہر قہقہے کے ساتھ زمین ہلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

کمرے کے کونے میں بیٹھا **کریم چاچا** (وہی بوڑھا شخص جو ہاشم کو پہلی رات بچا کر لایا تھا)
ہاشم کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
اس کی آنکھوں میں تھکن کے ساتھ ایک عجیب سا خوف بھی چھپا تھا۔

کریم چاچا (آہستہ لہجے میں)

...میں نے تمہیں کہا تھا"

رات کو باہر نہ جانا۔

"یہاں قاعدے توڑنے والوں کو یہ جگہ نہیں چھوڑتی۔

باشم نے اپنے نیلے آنکھوں کو سکیڑ کر اُس کی طرف دیکھا۔

پسینے کے قطرے اب بھی اُس کی پیشانی پر چمک رہے تھے۔

باشم (تیز لہجے میں)

میں نے تو بس دیکھنا چاہا تھا۔"

یہ سب کہانیاں... یہ سب ڈرامہ لگتا ہے۔

"کیا واقعی کوئی مخلوق ہے جو دروازہ کھٹکھٹا کر لوگوں کو بلاتی ہے؟

کریم چاچا کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے چمک آئی

:پھر وہ گہری سانس لے کر بولا

بیٹے، ہم میں سے ہر ایک نے یہاں کسی نہ کسی کو کھویا ہے۔"

یہ مخلوق انسان کی طرح بات کرتی ہے

تمہارے پیاروں کی آواز میں۔

"تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ یہ کتنی چالاک ہیں۔

باشم کرسی سے اٹھا اور کھڑکی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

کھڑکی کے پرے رات کا اندھیرا کسی بوجھل دھند کی طرح پھیلا ہوا تھا۔

دور کہیں سے کتے کے بھونکنے کی مدھم آواز آ رہی تھی

جو اچانک ہی خاموش ہو گئی۔

پھر ایک پل کے لیے پوری گلی میں ایسا سکوت چھا گیا

جیسے دنیا نے سانس روک لی ہو۔

—اسی لمحے دروازے پر **ہلکی سی دستک** ہوئی

...ٹک... ٹک... ٹک

باشم کا دل زور سے دھڑکا۔

کریم چاچا تیزی سے اٹھا اور دروازے کے قریب پہنچ کر سرگوشی میں بولا

پیچھے ہٹ جاؤ۔"

"یہ وہ نہیں جسے تم سمجھ رہے ہو۔

مگر باشم کے دل میں ضد کا ایک شعلہ بھڑک چکا تھا۔

وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس سچائی کے پیچھے کیا چھپا ہے۔

دستک ایک بار پھر ہوئی

اب کی بار پہلے سے ذرا سخت۔

...ٹک... ٹک... ٹک

—پھر ایک مانوس آواز سنائی دی

:ایک جوان عورت کی نرم سی صدا

،باشم... بیٹا... دروازہ کھولو"
"میں ہوں... تمہاری ماں۔

باشم کے قدم خود بخود دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔
،سانس رکنے لگی
آواز اتنی جانی پہچانی تھی کہ
ایک پل کے لیے اُس کے ذہن نے خوف کو بالکل بھلا دیا۔
یہ کیسے ممکن ہے؟
،ماں تو شہر کے اُس پار تھی
یہاں کیسے آ سکتی تھی؟

کریم چاچا نے ایک جھٹکے سے باشم کا بازو پکڑ لیا۔
!یہ وہ نہیں ہے"
!"یہ آواز تمہیں مرنے پر مجبور کرے گی

،باشم نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی
مگر چاچا کی گرفت لوہے کی طرح مضبوط تھی۔
دستک اب زور زور سے ہونے لگی۔
...ٹک... ٹک... ٹک
—اور پھر آواز بدل گئی
،پہلے ایک ہلکی ہنسی
،پھر ایک گھٹتی بڑھتی غراہٹ
جیسے کوئی گہرے کنویں میں سے ہنس رہا ہو۔

باشم کے وجود میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔
کھڑکی کے شیشے ہلکے ہلکے کانپنے لگے۔
چراغ کی لو کانپ کر چھوٹی ہو گئی۔
کریم چاچا نے جلدی سے چراغ بجھا دیا
:اور باشم کے کان میں سرگوشی کی
...یہ روشنی کو محسوس کرتے ہیں"
"خاموش رہو۔ سانس بھی نہ لو۔

کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔
صرف باہر سے آتی ہوا کا شور اور
اس کے ساتھ ایک کھنک سی ہنسی
اندھیرے کو چیرتی ہوئی اندر گھس رہی تھی۔

...پھر اچانک
ساری آوازیں تھم گئیں۔
ایسا لگا جیسے کوئی وجود دروازے کے بالکل پیچھے کھڑا
سانس لے رہا ہو۔

باشم کے دل کی دھڑکنیں اتنی زور سے بج رہی تھیں
کہ اُسے لگا مخلوق اُس کی دھڑکن سن لے گی۔

—ایک لمبا لمحہ گزرا
پھر وہ موجودگی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی۔
،زمین پر کسی کے ناخن رگڑنے کی کھڑکھڑاہٹ
،دور جاتی قدموں کی گھسڑ گھسڑ
اور پھر مکمل سکوت۔

کافی دیر بعد کریم چاچا نے چراغ جلایا۔
اُس کی آنکھوں میں پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔

دیکھا؟"
یہ تمہیں تمہارے سب سے قریبی رشتے کی آواز میں بلاتے ہیں۔
یہی ان کا ہتھیار ہے۔
...اگر تم نے ذرا بھی ہچکچاہٹ دکھائی تو
"تمہارا انجام باقیوں جیسا ہوگا۔"

،ہاشم نے گہری سانس لی
مگر اُس کی ضد اب بھی ٹوٹنے کو تیار نہ تھی۔
—اس کے دماغ میں ایک ہی بات گونج رہی تھی
آخر یہ مخلوق ہیں کیا؟
اور یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟

اسے احساس تھا کہ اگر حقیقت جانی ہے
تو قاعدے توڑنے کا خطرہ لینا پڑے گا۔
...لیکن ابھی نہیں
کم از کم آج کی رات نہیں۔

باب 4 - نئی صبح، نئے چہرے

صبح کی پہلی کرن جب پرانے درختوں کی شاخوں سے چھن کر اندر آئی، تو ہاشم نے ایک اجنبی سی خاموشی کو محسوس کیا۔

،رات کے بھیانک سنائے کے بعد یہ خاموشی کسی نعمت جیسی لگنی چاہیے تھی
مگر اس میں ایک ایسا ڈر چھپا تھا جو ہر سانس کے ساتھ اندر تک اتر رہا تھا۔

ہاشم آہستہ آہستہ بستر سے اٹھا۔
کمرے کی لکڑی کی فرش سے قدموں کی چرچراہٹ بلند ہوئی تو اسے لگا جیسے ہر آواز باہر کی مخلوقات کو سنائی دے
سکتی ہے۔

کریم چاچا پہلے ہی جاگ چکے تھے۔ وہ ایک پرانی لکڑی کی ٹیبل پر بیٹھے ٹوٹے ہوئے پیالے میں دودھ ڈال رہے تھے۔

رات ٹھیک گزری؟" چاچا نے پوچھا، مگر اُن کی نظریں ابھی تک کھڑکی کی سمت جمی رہیں۔"
ہاشم نے گردن ہلائی مگر جواب نہ دیا۔

ذہن میں اب بھی وہ ہنسی، وہ دستک اور اپنی ماں کی آواز گونج رہی تھی۔

،کریم چاچا نے آہستہ سے کہا
آج دن کا وقت ہے، باہر چلو۔"

تمہیں باقی لوگوں سے ملنا چاہیے۔
"یہاں زندہ رہنے کے لئے اکیلے پن سے لڑنا سب سے بڑا امتحان ہے۔"

ہاشم نے سر بلایا۔
دل میں تجسس تھا کہ یہ لوگ کون ہیں جو اس قید میں برسوں سے جی رہے ہیں۔
کیا سب کے اپنے راز ہیں؟
کیا سب نے اپنی آنکھوں سے وہ مخلوقات دیکھی ہیں؟

دن کی گلیاں 🌞

دروازہ کھولتے ہی ہاشم کی آنکھیں چندھیا گئیں۔
دن کی روشنی میں یہ کالونی کسی اور ہی دنیا کا منظر پیش کر رہی تھی۔
جھاڑیوں میں الجھی پرانی سڑکیں،
دیواروں پر لٹکی بیلیں،
—پھٹی پرانی کھڑکیاں
سب کچھ ایک عجیب وقت میں قید سا لگ رہا تھا۔

ہوا میں جنگل کی نمی اور زنگ آلود دھات کی بو ملی ہوئی تھی۔
پچیس سے تیس گھروں پر مشتمل یہ بستی سنسان تھی
لیکن کچھ فاصلے پر بچوں کی مدھم ہنسی سنائی دے رہی تھی۔

پہلی ملاقات 👤

ایک کشادہ صحن میں کچھ لوگ اکٹھے بیٹھے تھے۔
کریم چاچا نے ہاشم کا تعارف کرایا۔

- **سلمیٰ بی بی:** تقریباً پینتالیس سال کی ایک سخت مگر مہربان عورت۔
ان کی آنکھوں میں ایسی تھکن تھی جیسے صدیوں سے نیند نہ کی ہو۔
وہ دو چھوٹے بچوں، علی (9 سال) اور مریم (6 سال) کے ساتھ یہاں رہتی تھیں۔
کہا جاتا تھا کہ وہ پچھلے **دس سال** سے یہاں قید ہیں۔
- **جاوید:** ایک دبلا پتلا، لمبا نوجوان۔
عمر بائیس سال۔

چہرے پر ایک مستقل خوف کی جھلک۔
اس نے بتایا کہ وہ اپنی منگیتر کے ساتھ یہاں آیا تھا
لیکن پہلی ہی ہفتے میں اُس کی منگیتر کو مخلوق کھا گئی۔
● **بشریٰ آٹنی اور ناصر انکل:** میاں بیوی۔
دونوں تقریباً پچپن سال کے۔
—ناصر انکل کا ایک ہاتھ نہیں تھا
وہ دعویٰ کرتے تھے کہ ایک رات مخلوق نے دروازہ کھولنے پر اُن پر حملہ کیا
اور وہ مشکل سے بچ سکے۔

ہاشم نے ہر چہرے میں ایک ہی چیز دیکھی
انتظار۔

ایسا انتظار جس کا کوئی انجام نہیں
جیسے یہ سب لوگ کسی ان دیکھی صبح کا انتظار کر رہے ہوں
جو کبھی نہیں آتی۔

سلمیٰ بی بی نے دھیرے دھیرے بات شروع کی
یہاں دن میں سب کچھ عام لگتا ہے۔"
پر رات... رات ان کا وقت ہے۔
یہ جگہ کسی بددعا کی طرح ہے۔
ہم سب مختلف دنوں میں یہاں پہنچے
"لیکن جانے کا راستہ کسی کو نہیں ملا۔

ہاشم نے بے ساختہ پوچھا
"کیا کبھی کسی نے یہاں سے نکلنے کی کوشش نہیں کی؟"

جاوید کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔
کوشش کی تھی۔"
کچھ لوگ جنگل کی طرف گئے
مگر واپس کبھی نہ آئے۔
صرف ایک رات بعد ان کی چیخیں دور سے سنائی دیں
"...اور پھر خاموشی

ہاشم نے ایک لمحے کو اپنی سانس روکی۔
کریم چاچا کی نظریں اس پر جمی رہیں۔
اسی لئے ہم رات کو باہر نہیں نکلتے۔"
یہ مخلوق اندھیرے میں جیتی ہے۔
یہ تمہیں تمہارے پیاروں کی آواز میں بلاتی ہے
...اور جب تم قدم باہر رکھتے ہو
"سب ختم۔

● دن میں بھی سایہ

باتیں کرتے کرتے سورج آہستہ آہستہ جھکنے لگا۔
ہاشم نے محسوس کیا کہ جیسے جیسے روشنی مدھم ہو رہی ہے
پورے ماحول کا رنگ بدل رہا ہے۔
دیواروں کی دراڑیں گہری لگنے لگیں
جھاڑیوں کے سائے لمبے ہو کر زمین پر رینگنے لگے۔

ایک لمحے کے لیے اُس نے سوچا
کہ یہ سب اس کے ذہن کا کھیل ہے
مگر پھر اچانک ایک جھٹکے سے
—سامنے کے خالی گھر کی کھڑکی بند ہوئی
حالانکہ وہاں کوئی نہیں تھا۔

ہاشم کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔
سلمیٰ بی بی نے اُس کی گھبراہٹ بھانپ لی۔
یہاں دن بھی کبھی محفوظ نہیں ہوتا۔"
"بس رات کو وہ زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔

شام ڈھلتے ہی لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف جانے لگے۔
ہر دروازے پر بھاری قفل لگنے کی آواز
گلیوں میں گونج رہی تھی۔
کریم چاچا نے ہاشم کو جلدی چلنے کا اشارہ کیا۔

جب وہ واپس گھر پہنچے تو آسمان پر اندھیرا پھیل چکا تھا۔
دور جنگل کی طرف سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا
—اور اس کے ساتھ ایک مدہم سی سرگوشی
:ایسی جیسے کوئی بہت قریب آ کر کان میں کہہ رہا ہو
"...ہاشم"

ہاشم کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔
...یہ آواز وہی تھی
ماں کی آواز۔

کریم چاچا نے کھڑکی بند کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا
یہ شروع ہو گیا ہے۔"
یاد رکھو—آج تمہیں خود پر قابو رکھنا ہوگا۔
...ایک بار بھی دروازہ کھولا
"سب ختم۔"

باب 5 - پہلی قربانی

رات اپنی پوری تاریکی کے ساتھ پھیل چکی تھی۔
آسمان پر بادل ایسے لٹک رہے تھے جیسے کسی نے سیاہ چادر تان دی ہو۔
ہوا میں جنگل کی باسی نمی اور کسی پرانے زنگ آلود لوہے کی بو گھل رہی تھی۔
کالونی کے ہر دروازے پر بھاری قفل لگ چکے تھے۔ PIB
چراغوں کی مدہم روشنی بس اتنی تھی کہ اپنے سائے کو بھی دیکھنا مشکل ہو۔

ہاشم کھڑکی کے قریب بیٹھا تھا۔
آنکھیں باہر کے اندھیرے میں جھانک رہی تھیں
—مگر دماغ میں دن کی باتیں گونج رہی تھیں
،سلمیٰ بی بی کی تھکی ہوئی آنکھیں
،جاوید کی ٹوٹی ہوئی مسکراہٹ
اور وہ سرگوشیاں جو دن کے اجالے میں بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

کریم چاچا خاموشی سے لکڑی کے دروازے کے پاس بیٹھے تھے۔
،ان کے ہاتھ میں پرانا سا خنجر تھا
جسے وہ بار بار کپڑے سے صاف کر رہے تھے۔
،کمرے میں بس چراغ کی ہلکی لو
ہوا کی مدہم سرسراہٹ
اور ہاشم کی بے قابو دھڑکن کی آواز گونج رہی تھی۔

گھڑی نے آدھی رات کی ہلکی سی ٹک ٹک بجائی،
—اور جیسے ہی آخری ٹک ختم ہوئی
دروازے پر ہلکی دستک ہوئی۔

...ٹک... ٹک... ٹک

باشم کے جسم میں ایک جھٹکا سا لگا۔
یہ وہی آواز تھی جو اُس نے پچھلی رات سنی تھی
مگر اس بار... آواز میں کسی کی بے بسی شامل تھی۔

پھر ایک مانوس مردانہ آواز گونجی
...کوئی ہے؟ دروازہ کھولو"
"خدا کے واسطے میری مدد کرو

باشم نے فوراً کھڑکی کی اوٹ سے باہر جھانکا۔
چاند کی مدھم روشنی میں ایک آدمی سڑک پر کھڑا تھا۔
پھٹے پرانے کپڑے
چہرے پر مٹی اور خون کے نشانات۔
وہ بے تحاشا دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

کریم چاچا نے باشم کا کندھا مضبوطی سے پکڑ لیا۔
آنکھیں نیچے رکھو۔"
"یہ وہ نہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔

باشم نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سر بلایا
مگر دل کی دھڑکن قابو سے باہر تھی۔

پڑوسی کا فیصلہ

اچانک سامنے والے گھر کی کھڑکی کھلی۔
—یہ بلال صاحب کا گھر تھا
ایک نئی فیملی جو بس دو دن پہلے ہی یہاں پہنچی تھی۔
بلال صاحب چالیس کے قریب عمر کا دبلا پتلا آدمی تھا
ساتھ میں اُس کی بیوی عائشہ اور سات سال کی بیٹی باجرہ۔
انہوں نے دن میں ہی کالونی کے اصول سنے تھے
مگر بلال کو سب ڈرامہ لگ رہا تھا۔

کھڑکی سے بلال کی آواز آئی
!ارے کوئی تو مدد کرو"
"یہ تو انسان ہے

کریم چاچا نے فوراً چیخ کر کہا
"!بلال! کھڑکی بند کرو! یہ انسان نہیں ہے"

مگر بلال نے سنی ان سنی کر دی۔
اس کی بیوی عائشہ کے چہرے پر خوف صاف نظر آ رہا تھا
مگر بلال کی آنکھوں میں ایک ضد چمک رہی تھی۔

دروازے پر کھڑا وہ اجنبی بار بار پکار رہا تھا
"خدا کے لئے... پانی دے دو... دروازہ کھولو"

بلال نے ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد دروازے کا قفل کھولا۔

...چررر

دریچہ کھلنے کی آواز گلی کے سناٹے میں گونج گئی۔

پہلی جھلک 🧠

جیسے ہی دروازہ ذرا سا کھلا
اجنبی نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا۔
باشم کی آنکھوں نے وہ منظر دیکھا
جس نے اُس کے وجود کی ہر رگ منجمد کر دی۔

چاندنی میں وہ چہرہ آہستہ آہستہ بدلنے لگا۔
آنکھیں اندر کو دھنس گئیں
ہونٹ پھٹ کر کسی جانور کی طرح پھیل گئے
جلد کی رنگت راکھ جیسی سیاہ ہونے لگی۔
—پھر ایک بھیانک چیخ
!کئئیییییییییی

اجنبی نے دروازے کو دونوں ہاتھوں سے زور سے دھکیلا
اور بلال پر جھپٹ پڑا۔

چراغ کی مدھم روشنی میں وہ مخلوق
کسی نیم انسانی جانور میں بدل چکی تھی۔
لمبے نوکیلے دانت
لمبے بازو
اور ایسے ناخن جو لوہے کو چیر دیں۔

عائشہ نے خوف سے چیخ ماری
باجرہ کی ہلکی سی سسکی پورے گلی میں گونج گئی۔
کریم چاچا اور دوسرے لوگ گھروں کے اندر دبکے رہے۔
یہی قاعدہ تھا
دروازہ بند رکھو۔ آواز نہ نکالو۔

باشم اپنے اندر کی چیخ روکنے کی پوری کوشش کر رہا تھا
لیکن سامنے کا منظر اس کے بس سے باہر تھا۔

موت کی مہک 🔥

مخلوق نے ایک جھٹکے میں بلال کو زمین پر گرا دیا۔
بلال کی چیخیں اندھیرے میں تحلیل ہوتی گئیں۔
—پھر وہ مخلوق بلال کے اوپر جھکی اور

...چھپ...چھپ

گوشت کے چبانے کی آوازیں
رات کے سنائے کو کاٹتی ہوئیں
بر گھر کی دیواروں میں گونجنے لگیں۔

،عائشہ اور باجرہ دروازے کے پیچھے دبکی سسک رہی تھیں
مگر کسی کے پاس مدد کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

باشم کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے۔
اُس کا دل چاہتا تھا دروازہ توڑ کر باہر نکلے
مگر کریم چاچا کی گرفت لوہے کی طرح سخت تھی۔

"یہی ان کا جال ہے"
چاچا نے سرگوشی کی۔
"ایک کی جان لے کر باقیوں کو خوف میں زندہ رکھتے ہیں۔"

چند ہی لمحوں بعد وہ مخلوق
خاموشی سے دروازے سے پیچھے ہٹی۔
،بلال کی بے جان لاش زمین پر پڑی رہ گئی
اور گلی پھر سے موت کی سی خاموشی میں ڈوب گئی۔

صبح کا بوجھ

جب سورج کی پہلی کرن درختوں سے چھنی تو
گلی میں خون کے دھبے اور بلال کے پھٹے کپڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔
،لاش غائب تھی
جیسے کوئی اسے گھسیٹ کر اندھیرے میں لے گیا ہو۔

عائشہ اور باجرہ کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔
کریم چاچا نے باشم کو بازو سے پکڑا اور سخت لہجے میں کہا
اب سمجھ آیا قاعدے کیوں ہیں؟
یہاں رحم نہیں، صرف انتظار ہے۔
:زندہ رہنا ہے تو صرف ایک اصول یاد رکھو
"رات کو دروازہ کبھی نہ کھولو۔"

باشم نے زمین پر پڑے خون کو دیکھا۔
دل میں ایک عجیب سا زہر اتر رہا تھا۔
،اسے اب یہ قاعدے محض ڈر نہیں لگ رہے تھے
بلکہ ایک ایسے راز کی جھلک لگ رہے تھے
جسے وہ ہر قیمت پر جاننا چاہتا تھا۔

باب 6 - سلمیٰ بی بی کا سفر

رات کی پہلی کرن سے پہلے کا وقت ہمیشہ سب سے زیادہ بوجھل ہوتا ہے۔
اسی دھندلی فضا میں ہاشم کو سلمیٰ بی بی کی کہانی جاننے کا موقع ملا۔
سلمیٰ بی بی نے ہلکی سانس لی، جیسے اپنے دل پر جمی دھول ہٹانے سے پہلے
خود کو تیار کر رہی ہوں۔

"یہاں تک کا سفر... آسان نہیں تھا"
انہوں نے دھیمی مگر کانپتی آواز میں کہا۔
"یہ سب ایک دن میں نہیں ہوتا... یہ آہستہ آہستہ تمہیں اپنی طرف کھینچتا ہے۔"

آغاز: کراچی کی پرانی گلیاں 🕯

سلمیٰ بی بی کا اصل گھر **لیاری** کی پرانی گلیوں میں تھا۔
تنگ مکان، چھت سے لٹکتے پرانے پنکھے
اور گلی کے کونے پر وہ مسجد
جہاں اذان کی آواز ہر صبح ان کے دل کو تسکین دیتی تھی۔

— وہاں وہ اپنے دو بچوں
ثاقب (عمر: 17) اور **بانیہ (عمر: 14)** کے ساتھ رہتی تھیں۔
شہر کے شور میں زندگی کی سادہ خوشیاں موجود تھیں
مگر ان کے شوہر رشید کی موت کے بعد
زندگی کی خوشبو آہستہ آہستہ ماند پڑتی جا رہی تھی۔

رشید کی موت عجیب تھی۔
ایک رات وہ اچانک غائب ہو گئے
اگلی صبح ان کی لاش قریبی نالے کے کنارے ملی۔
چہرہ نیلا پڑا ہوا تھا
آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں جیسے آخری لمحے میں
کچھ ایسا دیکھا ہو جو انسان کی برداشت سے باہر ہو۔

رشید کی موت کے بعد
گھر میں عجیب و غریب واقعات شروع ہوئے۔

- کبھی رات کے وقت برتن خود بخود گر جاتے۔
- کبھی چھت پر کوئی چلتا محسوس ہوتا مگر اوپر کوئی نہ ہوتا۔
- کبھی بانیہ رات کو جاگ کر روتی اور کہتی
"امی، بابا کھڑکی کے باہر کھڑے ہیں"

سلمیٰ نے اسے خواب سمجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش کی
لیکن ہر دن یہ واقعات بڑھتے گئے۔

بلاوے کی پہلی سرگوشی 🕯

ایک رات ثاقب کو خواب آیا۔
اس نے دیکھا کہ ایک سیاہ کپڑوں میں لپٹی عورت

پرانے کچے راستے کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

اس کی آواز ایسی تھی جیسے

دور سے کوئی پرانا گانا الٹا سنایا جا رہا ہو۔

، عورت نے کہا

"...یہاں سے نکلو... وہ جگہ تمہارا انتظار کر رہی ہے"

ثاقب کی آنکھ کھل گئی۔

پیشانی پسینے سے بھیگی ہوئی تھی۔

اس نے یہ بات سلمیٰ کو بتائی

مگر انہوں نے بس قرآن کی تلاوت تیز کر دی۔

پھر بھی... اگلی رات ہانیہ نے بھی وہی خواب دیکھا۔



تیسری رات سلمیٰ بی بی نے بھی ایک

عجیب سرگوشی سنی

"...آؤ... یہاں تمہیں سکون ملے گا"

آواز اتنی میٹھی تھی کہ

دل خود بخود اُس طرف کھنچنے لگے۔

  سفر کی شروعات

چند دن بعد ایک رشتہ دار کی شادی کے بہانے

سلمیٰ بچوں کے ساتھ کراچی کے ایک اور علاقے گئی تھیں۔

واپسی پر رکشہ والے نے ایک نیا راستہ تجویز کیا۔

"میم، اس طرف شارٹ کٹ ہے۔"

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

شارٹ کٹ ایک پرانے کچے راستے سے گزرتا تھا

جہاں ارد گرد صرف کھنڈر اور جنگل جیسے درخت تھے۔

—ہوا نم اور عجیب طرح کی میٹھی خوشبو سے بھری ہوئی تھی

جیسے مٹی کے ساتھ کچھ جل رہا ہو۔

، رکشہ جیسے ہی ایک پرانی پتھریلی سڑک پر مڑا

گاڑی اچانک رک گئی۔

، ڈرائیور نے کانپتی آواز میں کہا

، میم... آگے راستہ بند ہے۔ آپ لوگ یہیں سے پیدل چلے جائیں"

"دوسرا رستہ مل جائے گا۔"

پھر وہ بغیر پیسے لیے واپس مڑ گیا۔

سلمیٰ نے آس پاس دیکھا۔

، ہر طرف خاموشی

بس درختوں کی سرسراہٹ اور دور کہیں سے

پانی ٹپکنے کی آواز آ رہی تھی۔

،ثاقب نے موبائل کی ٹارچ جلائی
مگر روشنی کچھ قدم آگے جا کر
اندھیرے میں غائب ہو جاتی۔

بانیہ نے ماں کا ہاتھ زور سے پکڑا۔
"امی... واپس چلتے ہیں۔"

لیکن سلمیٰ نے دل کڑا کیا۔
"آگے ہی مین روڈ ہوگا۔"

● بلاوے کا جال

،جیسے ہی وہ لوگ تھوڑا آگے بڑھے
ایک دھند ان کے ارد گرد پھیلنے لگی۔
—یہ عام دھند نہیں تھی
یہ سانس لینے پر سینے میں ٹھنڈک اتارتی تھی
اور دل کی دھڑکن بے ترتیب کر دیتی تھی۔

اسی دھند میں
:وہی میٹھی سرگوشی دوبارہ گونجی
"...یہاں سکون ہے... آگے بڑھو"

ثاقب اور بانیہ نے ایک ساتھ ماں کا ہاتھ کھینچا۔
"امی! یہ جگہ ٹھیک نہیں"

لیکن سلمیٰ کے قدم جیسے خود بخود چل رہے تھے۔
،ہر قدم کے ساتھ دل پر ایک عجب سا سکون اتر رہا تھا
جیسے کوئی کہہ رہا ہو کہ
یہی وہ منزل ہے جس کی وہ برسوں سے تلاش میں تھیں۔

چند منٹ کے بعد
—وہ دھند ہٹنے لگی
اور سامنے ایک پرانا زنگ آلود گیٹ نظر آیا۔
:گیٹ کے اوپر مٹی سے بھرا ایک سائن بورڈ ٹوٹا ہوا لٹک رہا تھا

"کالونی - مخصوص رہائشی علاقہ PIB"

پہلی جھلک 🏠

گیٹ کے پیچھے
چھوٹے چھوٹے گھروں کی ایک قطار تھی۔
چراغ جل رہے تھے مگر کوئی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
ہوا میں وہی باسی نمی اور زنگ کی بو
جو بعد میں ہر رات ان کا تعاقب کرتی۔

دروازہ خود بخود چرچراتا ہوا کھل گیا۔
—اندر سے ایک دہلی پتلی عورت نمودار ہوئی
چہرہ سادہ مگر آنکھوں میں ایسی گہرائی
جیسے کئی صدیاں وہاں دفن ہوں۔

اس نے مسکرا کر کہا
آپ کا انتظار تھا۔"
یہاں آپ محفوظ ہیں۔
"...آئیے

سلمیٰ بی بی کے قدم بے اختیار اندر بڑھ گئے۔
،ثاقب اور ہانیہ نے ماں کو روکنے کی کوشش کی
مگر ان کے ہاتھ جیسے ہوا میں تیر رہے تھے۔
گیٹ پیچھے سے خود بخود بند ہو گیا۔

پہنسنے کے بعد

،جب سلمیٰ ہوش میں آئیں
وہ ایک چھوٹے مگر صاف ستھرے کمرے میں تھیں۔
کریم چاچا پہلی بار اسی رات ان سے ملے۔
:انہوں نے خاموشی سے صرف ایک جملہ کہا
یہاں کے اصول یاد رکھو۔"
"رات کو دروازہ نہ کھولو۔

،سلمیٰ نے باہر جانے کی ضد کی
مگر کریم چاچا کی نظریں
کسی ایسے راز کی گواہی دے رہی تھیں
جو انسان کو ہمیشہ کے لئے قید کر دیتا ہے۔

،اسی رات پہلی بار سلمیٰ نے دور سے وہ چبانے کی آواز سنی
جس نے ان کے دل میں خوف کا ایسا بیج بویا
جو آج تک نہیں سوکھا۔

باب 7 - ہاشم کا خواب اور پوشیدہ اشارے

...رات کا پہلا پہر
پی آئی بی کالونی کے آسمان پر ٹمٹماتے بادل ایسے لگ رہے تھے
جیسے کسی نے پرانے فلمی فریم کو سست رفتاری سے گھما دیا ہو۔
ہوا ساکن تھی مگر دیواروں کے پیچھے
کچھ نہ کچھ سرگوشیاں چل رہی تھیں۔

ہاشم اپنے کمرے میں لیٹا تھا۔
کمرے کی چھت پر لٹکتی پرانی پنکھے کی بلیڈیں

ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ آہستہ آہستہ گھوم رہی تھیں۔
نیند کے دھندلکوں میں اس کی آنکھیں خود بخود بوجھل ہو گئیں۔

● خواب کی شروعات

اچانک وہ خود کو ایک سنسان سڑک پر کھڑا پاتا ہے۔
وہی گاؤں کی پتھریلی سڑک جس پر وہ پہلی رات بھٹکا تھا۔
، دور دور تک کوئی انسان نہیں
بس ایک مدھم سی روشنی جو
سڑک کے آخر میں ٹمٹما رہی تھی۔

پیچھے سے ہوا کا ایک جھونکا آتا ہے۔
— لیکن یہ عام ہوا نہیں تھی
، اس کے ساتھ ایک گہری سڑاند تھی
جیسے گلی سڑی مچھلی کو بارش میں چھوڑ دیا ہو۔

باشم نے پلٹ کر دیکھا۔
دور دھند میں دو دھندلی سی پرچھائیاں کھڑی تھیں۔
ان کی قامت انسان جیسی تھی
مگر ان کے بازو زمین تک جھول رہے تھے۔

وہ آہستہ آہستہ قریب آنے لگے۔
بر قدم کے ساتھ
ان کی شکلیں مزید واضح ہوتی جا رہی تھیں۔

، جلد کی جگہ کائی لگی ہوئی —
، آنکھیں دودھیا سفید —
، ہونٹوں کی بجائے ایک کالی دراڑ —
جس سے مسلسل ایک سیٹی جیسی آواز نکل رہی تھی۔

سیٹی کی یہ آواز
بوش اڑانے والی تھی۔
... یہ کوئی عام سیٹی نہیں تھی بلکہ
کسی کا نام پکارنے جیسی تھی۔

"... ہا... شم"

باشم کا دل تیز دھڑکنے لگا۔
یہ آواز نرم اور میٹھی تھی
لیکن اس کے پیچھے کوئی ایسا زہر تھا
جو ہڈیوں تک کو کمزور کر دے۔

رہنمائی کرنے والی روشنی 🕯

باشم خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹتا ہے۔
اچانک سڑک کے آخر پر جلتی روشنی اور روشن ہو جاتی ہے۔

—اس روشنی میں ایک عورت کھڑی ہے
،چہرہ سیاہ دوپٹے میں چھپا ہوا
بس اس کی نیلی آنکھیں
رات کے پانی کی طرح چمک رہی تھیں۔

عورت دھیمی آواز میں کہتی ہے

...یہ سب حقیقت ہے"

لیکن اگر تم جاننا چاہتے ہو
،کہ یہ سب کب ختم ہوگا
تو اُس درخت کے نیچے جا کر دیکھو
"...جہاں زمین خون سے گیلی ہے

باشم نے پیچھے دیکھا۔

وہ مخلوق اب اور قریب آ چکی تھی۔

ان کے منہ کی دراڑوں سے

کالا چپچپا مواد بہہ رہا تھا۔

عورت کی آواز دوبارہ گونجی

—فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے"

"روشنی یا اندھیرا؟

باشم کے قدم خود بخود اس روشنی کی طرف بڑھنے لگے۔

،جیسے ہی وہ عورت کے قریب پہنچا

اچانک روشنی بجھ گئی

اور سب کچھ گھپ اندھیرا۔

خواب کا ٹوٹنا 🌫

باشم چیخ کر اٹھ بیٹھا۔

اس کی قمیض پسینے سے تر تھی۔

سانسیں بے ترتیب۔

کمرے کی کھڑکی بند تھی

مگر باہر سے وہی سیٹی نما سرگوشی

مدھم مگر واضح سنائی دے رہی تھی

"...ہا... شِمْ"

وہ دل تھام کر کھڑکی کے قریب گیا۔

کھڑکی کے باہر

ایک لمحے کے لیے ایسا لگا

جیسے دھند میں ایک سایہ حرکت کر رہا ہو۔

—نیلی آنکھوں والا سایہ

بالکل خواب والی عورت جیسا۔

پوشیدہ اشارے 🕯

باشم نے اگلی صبح
یہ خواب سلمیٰ بی بی اور کریم چاچا کو سنایا۔

کریم چاچا کے چہرے پر
ایک لمحے کے لیے خوف کی لہر دوڑ گئی
لیکن وہ فوراً سنبھل گئے۔
"یہ خواب نہیں... یہ انتباہ ہے"
انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔
یہاں آنے والے ہر شخص کو
پہلے یہ اشارہ دیا جاتا ہے۔
یہ ہمیں بتاتا ہے
"کہ اگلی قربانی کس کی ہے۔"

باشم کا دل بیٹھ گیا۔
"کیا مطلب؟"

کریم چاچا نے بس اتنا کہا
رات کی آوازوں کو پہچانو۔
...جو نام وہ لیتے ہیں
اگلی بار وہی نام
"اندھیرے میں گونجے گا۔"

بانیہ نے سہم کر اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔
سلمیٰ کی آنکھوں میں بھی
ایک ایسا خوف تھا
جو صرف وہ لوگ جانتے ہیں
جنہوں نے موت کو قریب سے دیکھا ہو۔

باب 8 – جاوید اور نادیہ کی کہانی

رات کی خاموشی ہمیشہ راز سناتی ہے
بس سننے والا دل ہونا چاہیے۔
باشم جب اپنے خواب کے اثر سے ابھی پوری طرح باہر نہ نکلا تھا
:اسی دوران کریم چاچا نے آہستہ سے کہا
بیٹا... تمہیں جاوید اور نادیہ کی کہانی سننی چاہیے۔
یہ کہانی تمہیں سمجھائے گی کہ یہ جگہ
"لوگوں کو کیسے اپنے جال میں کھینچتی ہے۔"

بانیہ اور ثاقب بھی قریب آ بیٹھے۔
چراغ کی مدھم روشنی میں کریم چاچا نے آغاز کیا۔

کراچی کی دوڑتی زندگی 🏙️

جاوید اور نادیہ کی ملاقات دو سال پہلے کراچی کے ایک بڑے اسپتال میں ہوئی۔
جاوید، ایک ایمرجنسی میڈیکل ٹیکنیشن تھا۔

تیز دماغ، ہر لمحہ تیار
اور اپنے کام کی وجہ سے اکثر راتیں ڈیوٹی میں گزار دیتا۔

نادیہ، ایک نرسنگ ٹرینی
خاموش مگر دلکش مسکراہٹ رکھنے والی لڑکی۔
ان کی ملاقات ایک حادثے کے کیس کے دوران ہوئی۔
وہ دونوں انسانوں کو بچانے کے شوق میں
دوسروں سے الگ لگتے تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ یہ ملاقاتیں
ایک گہری محبت میں بدل گئیں۔
چھ مہینے پہلے دونوں نے منگنی کی
اور شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔
لیکن شادی سے صرف دو ہفتے پہلے
نادیہ کے والدین کو
پنجاب میں ایک قریبی رشتے دار کی عیادت کے لیے جانا پڑا۔
انہوں نے جاوید کو کہا کہ
وہ نادیہ کو کچھ دنوں کے لیے
شہر سے باہر ایک تفریحی ٹرپ پر لے جائے
تاکہ شادی کے دباؤ سے کچھ راحت مل سکے۔

سفر کی شروعات 🚗

وہ لوگ اپنی کار پر نکلے۔
منزل کوئی طے نہیں تھی
بس کراچی کے شور سے دور ایک پرسکون جگہ کی تلاش۔
رات کے وقت وہ حب ڈیم روڈ کے قریب پہنچے
جہاں سڑک کے کنارے ایک پرانا سا بورڈ نظر آیا

"پرانا گاؤں - 12 کلومیٹر"

بورڈ پر موجود تیر ایک کچی سڑک کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔
جاوید نے ہلکی ہنسی کے ساتھ کہا
،چھوٹے گاؤں کا مزہ لیتے ہیں"
"کچھ گھنٹے میں واپس آ جائیں گے۔

نادیہ نے جھجکتے ہوئے سر ہلایا۔
گاڑی جیسے ہی اس کچے راستے پر چلی
عجیب سا سناتا ان کا استقبال کرنے لگا۔
چاند کی روشنی بھی دھند میں مدھم ہو گئی۔

گاڑی کے شیشے کے باہر
بس جھاڑیاں اور پرانے درخت نظر آ رہے تھے۔
بوا میں ایک ہلکی سی سڑی ہوئی مٹی کی بو تھی
جس نے نادیہ کو بے چین کر دیا۔


جاوید، واپس چلتے ہیں۔"

"یہ راستہ ٹھیک نہیں لگ رہا۔"

نادیہ نے دیے لفظوں میں کہا۔

جاوید نے اسے تسلی دی۔

"چند کلومیٹر ہی ہیں، دیکھ لیتے ہیں۔"

 پہلی علامت

راستے میں اچانک ان کی گاڑی کے سامنے

ایک بوسیدہ لکڑی کا تختہ گرا۔

گاڑی رکتے ہی

نادیہ نے دور سے ایک **مدھم روشنی** دیکھی

جیسے کسی گھر کے اندر لالٹین جل رہی ہو۔

لیکن وہ روشنی

کبھی قریب آتی محسوس ہوتی

کبھی اچانک دور۔

جاوید نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی

لیکن انجن نے آواز دینا بند کر دی۔

اس دوران ہوا میں

—ایک **عورت کی ہنسی** گونجی

،ایسی ہنسی جس میں نہ خوشی تھی نہ غم

بس ایک بے جان کھنک۔

نادیہ نے کانپ کر جاوید کا ہاتھ پکڑا۔

"یہ کہاں سے...؟"

جاوید نے ہمت کر کے باہر نکلنے کی کوشش کی۔

دروازہ کھلتے ہی

اسے لگا جیسے زمین کے نیچے سے

ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا نکل کر

اس کے پاؤں کو پکڑ رہا ہو۔

اسی لمحے

—دور سے ایک سایہ نمودار ہوا

،ایک لمبی قامت والا انسان

مگر اس کی گردن عجیب زاویے سے مڑی ہوئی تھی۔

اس نے دھیمی آواز میں کہا

"...ادھر آؤ... یہاں محفوظ ہو"

جاوید نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔

گاڑی کا انجن اچانک خودبخود چلنے لگا۔

ڈر کے مارے وہ لوگ تیزی سے آگے بڑھے۔

🏠 کالونی کی دہلیز PIB

چند منٹ بعد دھند چھٹنے لگی
اور سامنے ایک پرانا گیٹ نظر آیا
جس پر زنگ آلود حروف میں لکھا تھا

"کالونی - مخصوص رہائشی علاقہ PIB"

نادیہ نے خوف سے کہا
"یہاں کوئی رہتا بھی ہے؟"

جاوید نے تھوڑا حوصلہ کرتے ہوئے کہا
"کم از کم یہ جگہ سنسان راستے سے بہتر ہے۔"

— انہوں نے گیٹ دھکیلا
گیٹ ہلکی سی چیخ کے ساتھ کھلا۔

اندر ایک عورت کھڑی تھی۔
، چہرہ دھند میں چھپا ہوا
آنکھوں میں ایسی چمک
جیسے صدیوں سے انتظار کر رہی ہو۔

"آپ لوگ تھک گئے ہوں گے"
عورت نے نرم لہجے میں کہا۔
"یہاں آئیے... آرام کیجیے۔"
"رات کو سڑکیں محفوظ نہیں ہوتیں۔"

جاوید اور نادیہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔
بچکچاہٹ کے باوجود
ان کے قدم خود بخود اندر بڑھ گئے۔

گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی
گاڑی کا انجن ایک زور دار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔
— دھند نے پورا گیٹ لپیٹ لیا
اور باہر کا راستہ
بمیشہ کے لیے غائب ہو گیا۔

🌃 پہلی رات کی دہشت

اس رات جاوید اور نادیہ کو ایک چھوٹے کمرے میں رکھا گیا۔
کریم چاچا نے ہمیشہ کی طرح
صرف ایک ہی جملہ کہا
"رات کو دروازہ نہ کھولنا۔"

آدھی رات کو نادیہ نے
کھڑکی کے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنی۔

پہلے آہستہ... پھر تیز... پھر رُک کر
ایک مانوس آواز

”نادیہ... میں ہوں... دروازہ کھولو۔“

ایہ آواز جاوید کی تھی
لیکن جاوید تو اس وقت
اس کے ساتھ اسی کمرے میں سو رہا تھا۔

نادیہ کا دل کانپ گیا۔
اس نے جاوید کو بلایا۔
جاوید نے آنکھیں کھولیں
اور دونوں نے کان لگا کر سنا۔

—اب آواز دونوں کو آ رہی تھی
،بلکل جاوید کی اپنی آواز
مگر باہر۔

کریم چاچا کے الفاظ یاد آتے ہی
انہوں نے دروازہ مزید مضبوطی سے بند کر لیا۔


چند لمحے بعد
دروازے کے نیچے سے
سیاہ چپچپا مائع اندر رسنے لگا۔
اس مائع سے ایسی بُو آ رہی تھی
جیسے گلی سڑی ہڈیاں جل رہی ہوں۔

نادیہ نے چیخ دبانے کے لیے
اپنا منہ بند کر لیا۔
جاوید نے دروازے کو کندھے سے دبایا
اور قرآن کی آیات پڑھنے لگا۔

وہ آواز،
وہ مائع،
سب آہستہ آہستہ غائب ہو گئے۔

باب 9 – بشریٰ آئی اور ناصر انکل کی کہانی

رات کی گہری خاموشی میں کریم چاچا نے جب یہ نیا قصہ شروع کیا
تو ہاشم کو یوں لگا جیسے ہوا بھی رک گئی ہو۔
چراغ کی لو کبھی بلند ہوتی، کبھی دب جاتی
جیسے ہر لفظ کے ساتھ کمرے کی سانسیں بھی اٹک رہی ہوں۔

ماضی کی گلیاں 

بشری آئی اور ناصر انکل کا اصل تعلق **سکھر** سے تھا۔
وہ دونوں ایک پرانے کپڑوں کی دکان کے مالک تھے۔
بشری ایک **سخت مگر دل کی نیک** عورت
ہمیشہ صاف ستھری ساڑھی اور بالوں میں چمکتی کلیپس لگاتی تھیں۔
ناصر انکل نرم لہجے والے
مگر وقت آنے پر فیصلہ کرنے میں سب سے آگے۔

ان کی زندگی بظاہر عام تھی
—مگر اندر ہی اندر ایک **چھپی ہوئی خواہش** انہیں ہمیشہ کھینچتی تھی
اولاد کی۔

شادی کو پندرہ سال گزر گئے تھے
مگر وہ اس نعمت سے محروم تھے۔

ہر جمعرات وہ مختلف درگاہوں پر منتیں مانگتے
،وظیفے پڑھتے
لیکن ہر بار خالی ہاتھ واپس آتے۔
یہ خواہش آہستہ آہستہ
ان کے دل میں ایک خلا میں بدل رہی تھی۔

انوکھا بلاوا

ایک دن بازار سے لوٹتے ہوئے
بشری نے سڑک کنارے ایک **بوڑھی عورت** کو دیکھا۔
اس کی آنکھیں اتنی گہری تھیں
جیسے اندر ایک الگ دنیا چھپی ہو۔

بوڑھی عورت نے پکارا
بیٹی... تمہاری منت پوری ہونے کا وقت آ گیا ہے۔"
لیکن ایک شرط ہے۔

بشری ساکت رہ گئیں۔
عورت نے آہستہ سے کہا
رات کے بارہ بجے سڑک کے شمال والے درخت کے پاس آنا۔"
ایک راستہ تمہیں ملے گا۔
،اس راستے پر چلو
"تمہیں وہ ملے گا جس کے لیے تم نے سالوں دعائیں کی ہیں۔

ناصر انکل کو جب بشری نے یہ بات بتائی
تو وہ ہنس پڑے۔

"یہ سب کہانیاں ہیں، بشری۔"
لیکن بشری کے دل میں عجیب سا کھچاؤ تھا۔
سالوں کی تمنا نے ان کے قدم باندھ لیے۔

سفر کی شروعات

اگلی رات دونوں وہی کرنے نکل پڑے۔
شمال کی طرف پرانے برگد کے درخت کے قریب پہنچے
—تو وہاں واقعی ایک کچا راستہ موجود تھا
جیسے ابھی ابھی زمین سے نکلا ہو۔

ہوا میں ایک میٹھی مگر باسی خوشبو تھی
جو دل کو بہکانے لگی۔
راستے کے کنارے جھاڑیوں میں
چھوٹے چھوٹے جگنو ایسے ٹمٹما رہے تھے
جیسے کسی نے آسمان کے ٹکڑے زمین پر بکھیر دیے ہوں۔

ناصر نے قدم روکے۔
"یہ راستہ پہلے کبھی یہاں نہیں تھا۔"

بشریٰ نے بے اختیار کہا
"یہی ہے... یہی وہ اشارہ ہے۔"

چند منٹ چلنے کے بعد
انہیں ایک پرانا زنگ آلود گیٹ نظر آیا
جس پر دھند میں ڈھکے حروف چمک رہے تھے

"گالونی - مخصوص رہائشی علاقہ PIB"

گیٹ کے قریب پہنچتے ہی
ان کے کانوں میں ایک **ننھی بنسی** گونجی۔
یہ بنسی ایسی تھی
جیسے کوئی بچہ کھیلتے کھیلتے خوشی سے قہقہہ لگا رہا ہو۔

ناصر اور بشریٰ کے دل ایک ساتھ دھڑکے۔
ان کی آنکھوں میں ایک دوسرے کے لیے
سوال اور امید دونوں جھلک رہے تھے۔

پہلی جھلک 🏠

گیٹ کے اندر چراغاں تھا۔
،چھوٹے گھروں کی قطاریں
برگھر کے سامنے جلتی لالٹینیں۔
لیکن عجیب بات یہ کہ
اتنی روشنی کے باوجود کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔

اچانک ایک کم عمر لڑکی نمودار ہوئی۔
چہرے پر معصوم مسکراہٹ
مگر آنکھوں میں صدیوں کی ویرانی۔

لڑکی نے دھیرے سے کہا
آپ لوگ دیر کر چکے ہیں۔"

لیکن خوش آمدید۔
”یہاں وہ سب ملتا ہے جس کی خواہش دل میں ہو۔

ناصر نے جھرجھری لی۔
”یہاں... رہنے والے کون ہیں؟“

لڑکی نے بس اتنا کہا
”وہ جو اپنے خوابوں کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔“

بشریٰ نے بے اختیار قدم اندر رکھ دیا۔
ناصر نے روکنے کی کوشش کی
—مگر اچانک گیٹ خود بخود بند ہو گیا
ایک زوردار دھماکے کے ساتھ۔

پہلی رات کا خوف 🌃

اس رات انہیں ایک بڑا سا کمرہ دیا گیا۔
کھڑکی کے باہر دھند کی دبیز تہ پہیلی ہوئی تھی۔
آدھی رات کو بشریٰ نے
—ایک ننھی رو سنی
ایسی جیسے کوئی نوزائیدہ بچہ
ماں کو پکار رہا ہو۔

بشریٰ تڑپ کر کھڑی ہو گئیں۔
”ناصر، سنو... بچہ رو رہا ہے“

ناصر نے کان لگایا۔
واقعی ایک ننھی سسکی آ رہی تھی۔
لیکن کمرے کے اندر تو کوئی نہیں تھا۔

روتے روتے وہ آواز
آہستہ آہستہ واضح ہونے لگی
”...امی... باہر آؤ“

—یہ آواز کسی نومولود کی نہیں تھی
یہ بشریٰ کے دل کے اندر گونج رہی تھی۔

بشریٰ نے دروازے کی طرف قدم بڑھایا
لیکن ناصر نے فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔
”ایہ فریب ہے“

دروازے کے نیچے سے
سیاہ دھند کی پتلی سی لکیر اندر رسنے لگی۔
اس میں ایک عجیب سا **لوہے کی زنگ آلود** بو تھی
جیسے پرانے ہسپتال کے بستر جل رہے ہوں۔

ناصر نے زور سے کلمہ پڑھا۔
دھند جھٹکے سے پیچھے ہٹی
اور وہ ننھی آواز اچانک بند ہو گئی۔

● موجودہ وقت میں

کریم چاچا نے خاموشی توڑی۔
یہ ان کی پہلی رات تھی۔"
اس کے بعد ہر رات
،وہ آواز واپس آتی ہے
"لیکن بشریٰ نے آج تک دروازہ نہیں کھولا۔

باشم کے دل پر ایک سرد لہر دوڑ گئی۔
یہ مخلوق انسان کے
—سب سے نازک احساسات
—خوابش اور محرومی
کا استعمال کرتی تھی۔

سلمیٰ بی بی نے سسکی لی۔
یہ جگہ... انسان کو"
"اپنی ہی کمزوریوں کے ذریعے توڑتی ہے۔

باشم نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔
دور برگد کے درخت کے سائے میں
ایک ننھا سا سایہ
کھیلتا ہوا دکھائی دیا۔
،پہلے ایک بچہ
پھر دھند میں وہی سایہ
آہستہ آہستہ کسی بڑھے ہوئے جسم میں بدل گیا۔

باب 10 – باشم کی پہلی جان لیوا رات

کالونی کا ہر کونا PIB رات کی گہری خاموشی میں
ایسا لگ رہا تھا جیسے خود سانس لے رہا ہو۔
آسمان پر کوئی چاند نہ تھا
،بس دھند کے ٹکڑے
جو ہر لالٹین کی روشنی کو چبا رہے تھے۔
ہوا میں باسی مٹی اور جلتی لکڑی کی بھینی ہو
دل کی دھڑکن کے ساتھ ساتھ
اور بھی گہری ہوتی جا رہی تھی۔

باشم اپنی چھوٹی سی کمرے میں
ٹوٹے صوفے پر لیٹا
پچھلے چوبیس گھنٹوں کے ہر منظر کو یاد کر رہا تھا۔
،کریم چاچا کی باتیں

بشری آٹنی کا بچہ بلانے والا سایہ
اور وہ گیٹ جو خود بخود بند ہو گیا تھا۔
—یہ سب ایک خواب لگتا تھا
لیکن حقیقت کا وزن
اس کی سانسوں پر بھاری تھا۔

● خطرے کی پہلی آہٹ

کمرے کی چھت پر لٹکتی لالٹین کی روشنی
اچانک ہلکی سی کانپی۔
باشم نے چونک کر سر اٹھایا۔
باہر کی گلیوں سے
دھند کے بیچ کوئی **دھیمی سرگوشی**
سنائی دینے لگی۔

...باشم... دروازہ کھولو"
"...میں ہوں... تمہاری ماں

یہ آواز اتنی مانوس تھی
کہ باشم کے وجود کا ہر خلیہ
ایک ساتھ کانپ اٹھا۔
...ماں کی نرم، سہلانے والی آواز
لیکن اس کی ماں تو کراچی میں تھی۔
یہ کیسے ممکن تھا؟

اس کے دل نے ایک پل کو کہا
"!شاید کالونی سے باہر سے کوئی پیغام ہے"
مگر فوراً کریم چاچا کی سخت آواز
:دماغ میں گونجی
،آدھی رات کو جو بھی آواز دے"
...وہ تمہارا پیارا نہیں
"!وہ تمہیں باہر کھینچنے والا عفریت ہے

باشم نے دانت بھینچ لیے
اور دروازے کی طرف نظریں جما دیں۔

■ دروازے کا کھیل

دروازے کے نیچے سے
سیاہ دھند کی ایک باریک لکیر اندر رسنے لگی۔
اس دھند میں
نمکین پسینے اور
جلتے گوشت جیسی بو تھی۔
باشم کے ناک کے نتھنے جلنے لگے۔

...باشم... بیٹا... دروازہ کھولو"
"...میں اکیلی ہوں... ڈر لگ رہا ہے

یہ آواز اب اتنی قریب تھی
جیسے کوئی عورت دروازے سے لپٹی ہو۔
باشم نے دروازے کے بینڈل کی طرف دیکھا۔
—وہ خود بخود ہلنے لگا
...آہستہ... آہستہ
کھٹ... کھٹ... کھٹ۔

باشم نے اپنی جیب سے
کریم چاچا کا دیا ہوا پرانا تسبیحی کڑا نکالا
اور کلمہ پڑھتے ہوئے
بینڈل پر رکھ دیا۔
بینڈل جھٹکے سے رکا
اور دروازے کے پیچھے سے
ایک تیز چیخ گونجی۔

چیخ اتنی تیز تھی
کہ کمرے کی کھڑکیاں ہل گئیں
اور دیواروں سے مٹی جھڑنے لگی۔

کریم چاچا کی مدد 🕯

اچانک باہر سے قدموں کی آواز آئی۔
باشم نے جھانکنے کی کوشش کی
لیکن کھڑکی کے شیشے پر
—کسی نے ناخن گھسیٹے
چیرتی ہوئی کرکراہٹ کے ساتھ۔

"باشم! اندر ہی رہو"
یہ کریم چاچا کی آواز تھی۔

باشم نے جواب دیا
"اچا! کوئی دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہا ہے"

کریم چاچا کی بھاری آواز
:دھند کے شور میں گونجی
...یہ وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو"
...یہ تمہیں آزما رہے ہیں
"بس فجر تک رک جاؤ"

باشم کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔
اس کے کمرے کی دیوار کے پیچھے
کچھ بھاری سا رینگنے لگا۔
پہلے آہستہ... پھر تیزی سے۔

کھڑکی کے پٹ اچانک زور سے کھلے۔
سرد ہوا کے جھونکے کے ساتھ
ایک لمبا، دبلا سایہ اندر گھسنے کی کوشش کرنے لگا۔
اس کا چہرہ دھند سے ڈھکا ہوا
—مگر آنکھیں
نیلی، روشنی پھینکتی ہوئی۔

...یہ آنکھیں
باشم نے اپنی ماں کی آنکھوں جیسی پہچانی روشنی دیکھی۔
مگر اگلے ہی لمحے
وہی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

سایہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔
باتھ لمبے، انگلیاں بڈیوں کی طرح تیز۔
زبان دو حصوں میں بٹی ہوئی۔
ایک مکروہ مسکراہٹ
جو کانوں تک پھیلی ہوئی۔

"...بیٹا... بس ایک جھپی دے دو"

یہ جملہ سنتے ہی
باشم کی ریڑھ کی ہڈی میں
برف سی سرسراہٹ دوڑ گئی۔

مقابلہ


باشم نے فوراً اپنے جوتے کے نیچے چھپی
پرائی لوئے کی چھری نکالی
جو کریم چاچا نے دیا تھا۔
چھری پر ہلکی سی لکیر کالی دھند کی چمک رہی تھی۔

"!تم... میری ماں نہیں ہو"
باشم نے چیختے ہوئے کہا
اور چھری کو لہرایا۔

مخلوق ایک دم رک گئی۔
اس کی آنکھوں سے سرخ دھواں نکلنے لگا۔
پھر ایک ایسی چیخ نکلی
جس سے کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ کر زمین پر بکھر گئے۔

ہوا اچانک اتنی ٹھنڈی ہوئی
کہ باشم کی سانسیں برف کے دھویں کی طرح دکھائی دینے لگیں۔

سایہ دھند میں تحلیل ہو کر
گھر کے باہر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

 فجر کی پہلی کرن

دور مسجد کے اسپیکر سے
فجر کی اذان کی پہلی صدا بلند ہوئی۔
جیسے ہی اذان کی آواز فضا میں پھیلی
کمرے کی ٹوٹی کھڑکیاں
خود بخود بند ہو گئیں
دھند پیچھے ہٹ گئی
اور وہ زنگ آلود بو غائب ہو گئی۔

باشم گھٹنوں کے بل گر گیا۔
پسینہ اس کی گردن سے بہہ رہا تھا
اور دل کی دھڑکن ابھی تک
ڈھول کی طرح بج رہی تھی۔

دروازہ کھلا
اور کریم چاچا اندر آئے۔
ان کے ہاتھ میں جلتا ہوا چراغ تھا۔
انہوں نے باشم کے کندھے پر ہاتھ رکھا
اور آہستہ سے کہا
یہ صرف شروعات ہے، بیٹے۔"
آج تم نے پہلی رات جیت لی ہے۔
...لیکن یاد رکھو
یہ مخلوق ہر بار
"نئی صورت لے کر آتی ہے۔"

باشم نے کانپتی آواز میں پوچھا
یہ آخر ہیں کیا؟"
"یہ میری ماں کی آواز کیسے نکال سکتے ہیں؟"

کریم چاچا کی آنکھوں میں
پچھتاوے اور صدیوں پرانی تھکن کی جھلک تھی۔
انہوں نے بس اتنا کہا
یہ وہ ہیں"
...جو ہماری سب سے گہری خواہش بن کر آتے ہیں
"اور پھر اسے چیر کر کھا جاتے ہیں۔"

باب 11 - نیا قافلہ، نئے راز

صبح کی پہلی کرن ابھی آسمان کے کنارے پر تھی
کالونی کی گلیاں PIB لیکن
ابھی بھی رات کی وحشت سمیٹے بیٹھی تھیں۔

دھند کے موٹے پردے میں لپٹی
ٹوٹی ہوئی عمارتوں پر اوس کے قطرے
ہلکی روشنی میں سیاہ موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

کریم چاچا کی گلی کے گیٹ پر
اچانک دھات کی چرچراہٹ سنائی دی۔
یہ آواز اس خاموشی میں
کسی بوسیدہ قبر کے ڈھکن کے سرکنے جیسی لگ رہی تھی۔

باشم چونک کر باہر نکلا۔
اس کے قدم ابھی سنبھلے ہی تھے
کہ دھند کے پیچھے سے
ایک پرانا، کھٹارہ سا منی ٹرک نمودار ہوا۔
ٹرک کے اگلے حصے پر
کالا پینٹ جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا
اور ہیڈلائٹس ٹمٹما رہی تھیں
جیسے کسی بیمار دل کی دھڑکن۔

آنے والے لوگ 🚗

ٹرک کے رکنے پر اس کے پچھلے حصے کا دروازہ
چرچراہٹ کے ساتھ کھلا
اور چار چہرے دھند میں ابھرے۔

فراز

،عمر تقریباً 38 سال –
،موٹے شیشے کی عینک –
پرانے کاغذات سے بھرا بیگ ہاتھ میں۔ –
پہلی نظر میں ایک عام استاد لگتا تھا
لیکن اس کی آنکھوں کے اندر
ایک ناقابلِ بیان خوف چھپا ہوا تھا
جیسے کوئی ایسا راز جانتا ہو
جو زبان پر لاتے ہی جان لے لے۔

مہک

،فراز کی بیوی، 34 سال –
،سفید شال میں لپٹی –
چہرہ نازک مگر آنکھوں میں –
کسی اندھیرے کا بوجھ۔
اس کے ماتھے کی شکنیں
ایسی تھیں جیسے کئی راتیں
جاگتے جاگتے پتھر بن گئی ہوں۔

علی

،ان کا 11 سالہ بیٹا –

دبلا پتلا مگر آنکھوں میں —
عجیب سی چمک۔
،ٹوی کار کی طرح متجسس
بر چیز کو ہاتھ لگانے والا۔
لیکن اس کے بائیں گال پر
ایک پرانا جلنے کا نشان تھا
جس پر مہک کی نظریں
بار بار رُک جاتی تھیں۔

آمنہ

،فراز کی چھوٹی بہن، 24 سال —
کالے لمبے بال —
اور کانچ جیسے سنجیدہ نقوش۔
دیکھنے میں نرم مزاج
مگر چلنے میں ایک عجب پھرتی۔
اس کی نظریں دھند کو اس طرح چیر رہی تھیں
جیسے وہ پہلے بھی
ایسی ہی گلیوں سے گزر چکی ہو۔

ان کا سفر

کریم چاچا آگے بڑھے اور احتیاط سے پوچھا
"تم لوگ کون ہو؟ یہ جگہ کس نے بتائی؟"

فراز نے کانپتی آواز میں جواب دیا
"ہم... ہم سچ میں نہیں جانتے۔"
کل رات ہائی وے پر ہماری وین خراب ہو گئی تھی۔
رستہ پوچھتے پوچھتے
یہ راستہ خود ہی سامنے آ گیا۔
"جیسے... جیسے کسی نے ہمیں بلایا ہو۔"

باشم کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔
—یہی الفاظ تقریباً ہر نئے آنے والے نے کہے تھے
"جیسے کسی نے ہمیں بلایا ہو۔"

مہک نے بات جاری رکھی
ہمیں لگا شاید یہ کوئی پرانا گاؤں ہے۔"
،لیکن جیسے ہی ہم نے ٹرک اندر لایا
...پیچھے سڑک
"!سڑک ہی غائب ہو گئی"

آمنہ کی نظریں اردگرد کی ٹوٹی عمارتوں پر دوڑتی رہیں۔
یہ جگہ... میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا۔"
...ہر رات ایک ہی خواب
"یہی درخت، یہی دیواریں۔"

اسی لمحے

—دھند کے اندر سے ایک عجیب سی بو آئی
جلتی ہوئی ہڈیوں اور نم لکڑی کا ملا جلا ذائقہ۔
علی نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر سہمے لہجے میں کہا
"امی... کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے۔"

باشم نے چونک کر پیچھے دیکھا۔
دور ایک بوسیدہ مکان کے شکستہ کھڑکی سے
دو نیلی آنکھیں
مدھم روشنی میں چمک رہی تھیں۔
یہی وہ آنکھیں تھیں
جنہیں وہ پچھلی رات اپنے خواب میں دیکھ چکا تھا۔

کریم چاچا نے فوراً لائٹیں اونچی کر کے کہا
"سب اندر چلو۔"
"سورج ڈھلنے سے پہلے تمہیں سب کچھ سمجھانا ہوگا۔"

فراز بچکچایا
"—لیکن ہمارا ٹرک"

کریم چاچا کی آواز گرج دار ہو گئی
سامان چھوڑ دو۔"
"زندگی لے کر چلنا زیادہ ضروری ہے

مہک نے علی کو اٹھایا
اور سب باشم کے پیچھے پیچھے
کریم چاچا کے مکان میں داخل ہو گئے۔

اندر کی پہلی گفتگو 🔥

کمرے میں پہنچتے ہی
کریم چاچا نے دروازہ اندر سے بند کیا
اور ٹوٹے صوفے پر بیٹھ کر کہا
"تم لوگ اب ہمارے قیدی نہیں"
بلکہ اسی قید کے ساتھی ہو۔
...یہاں سے کوئی بھی
"اپنی مرضی سے نہیں آیا۔"

فراز نے گھبرا کر پوچھا
"مگر کیوں؟"
"یہ جگہ آخر ہے کیا؟"

کریم چاچا کی آنکھوں میں
صدیوں پرانی تھکن تھی۔

انہوں نے گہرا سانس لے کر کہا
یہ... ایک جال ہے۔"
ایک ایسی جگہ جو اپنے شکار کو
اس کی سب سے پیاری یاد کے بہانے کھینچتی ہے۔
...اور جب وہ اندر آ جائے
"راستہ خود بخود غائب ہو جاتا ہے۔"

آمنہ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا
"پھر تو ہم سب پہلے سے مرے ہوئے ہیں۔"

کریم چاچا نے جواب دیا
ابھی نہیں۔"
لیکن اگر تم نے رات کے قوانین توڑے
"تو یہ مخلوق تمہیں اندر سے چیر ڈالے گی۔"

اندھیری گلی سے ایک پکار ⚡

گفتگو ابھی جاری تھی
کہ باہر گلی سے ایک دھیمی ہنسی گونجی۔
یہ ہنسی ایسی تھی
جیسے کسی بچے کی پہلی ہنسی اور
مردار کی آخری چیخ کو ایک ساتھ ریکارڈ کر دیا گیا ہو۔

علی کانپتے ہوئے کھڑکی کے قریب گیا۔
دھند کے پار
کچھ لمحے کے لیے
ایک لمبا سایہ ابھرا
جس کی انگلیاں زمین تک لٹک رہی تھیں۔

مہک نے فوراً علی کو کھینچ لیا۔
کریم چاچا نے چراغ کی لو اور اونچی کی
:اور سب کو خبردار کیا
یہ رات ابھی ختم نہیں ہوئی۔"
یہ نئے شکار کی خوشبو سونگھ چکے ہیں۔
"اب یہ تمہیں آزمانے آئیں گے۔"

باشم نے فراز کی طرف دیکھا۔
—اسے پہلی رات کی اپنی آزمائش یاد آ گئی
اور اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا
کہ آج کی رات
ان نئے لوگوں کو ہر حال میں بچائے گا۔

باب 12 - پہلی رات، نئے امتحان

کالونی کی گہری دھند آہستہ آہستہ PIB
رات کے بدن میں سرائیت کر رہی تھی۔
چراغوں کی ہلکی زرد روشنی
سیاہ آسمان کے نیچے ایسے جھپک رہی تھی
جیسے کسی بیمار آنکھ کی پتلیاں۔
، ہر گلی، ہر شکستہ دیوار
اپنے اندر کوئی سانس لیتا راز چھپا رہی تھی۔

باشم نے فراز اور اس کے اہل خانہ کو
کریم چاچا کے کمرے میں سونے کا کہا
مگر خود باہر صحن کے قریب بیٹھ گیا۔
—اس کے دل میں ایک عجیب سا خدشہ تھا
جیسے یہ رات عام راتوں سے کہیں زیادہ بھاری ہونے والی ہے۔

● پہلی سرگوشی

گھنٹہ بھر ہی گزرا تھا کہ
کمرے کی کھڑکی کے نیچے
پتوں کے رگڑنے کی ہلکی سی آواز ابھری۔
باشم چونک کر اٹھا۔
اس نے دیکھا کہ
علی خواب کے عالم میں ہلکی ہلکی آوازیں دے رہا تھا۔

"...بابا... وہ دیکھیں... نانا آگئے"

مہک گھبرا کر علی کے پاس گئی۔
"بیٹا کیا ہوا؟"

علی نے نیم وا آنکھوں سے اشارہ کیا
نانا باہر کھڑے ہیں۔"
"کہہ رہے ہیں دروازہ کھولو۔

مہک کے چہرے پر خون اتر گیا۔
علی کا نانا پچھلے سال دل کے دورے سے انتقال کر چکا تھا۔

کھڑکی کے پار دھند میں ایک دھندلی سی شبیہ
واضح ہونے لگی۔
ایک سفید شلوار قمیض میں ملبوس
، بوڑھا شخص
چہرے پر مہربان مسکراہٹ۔
بلکل علی کے نانا جیسا۔

"...مہک بیٹی... دروازہ کھولو"
"...میں علی کو لینے آیا ہوں"

یہ آواز اتنی حقیقی تھی
کہ مہک کے آنسو نکل پڑے۔
وہ لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھی۔

باشم کی مداخلت ⚡

باشم نے تیزی سے مہک کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"یہ تمہارے نانا نہیں"
"ایہ وہی ہیں... جو ہر بار نیا روپ لیتے ہیں

:مہک نے روتے ہوئے کہا
"لیکن یہ... یہ تو ان ہی کی آواز ہے"

:باشم نے سخت لہجے میں کہا
،یہ آواز تمہارے دل کے اندر ہے"
"ایہ تمہیں قائل کرنے کی چال ہے

اسی لمحے کھڑکی کے شیشے پر
بوڑھے شخص نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ
اپنی انگلی پھیری۔
انگلی کے پیچھے
خون کی ایک سرخ لکیر بن گئی۔
لکیر کے آخر میں
:ایک لفظ ابھرا
”آؤ۔“

،مہک کے ہونٹ بے اختیار ہلنے لگے
لیکن باشم نے بلند آواز میں اذان دینا شروع کر دی۔
"...اللہ اکبر... اللہ اکبر"

،جیسے ہی اذان کی صدا گونجی
،بوڑھا شخص لمحے بھر کے لیے ٹھٹھکا
پھر اس کا چہرہ آہستہ آہستہ
گھلنے لگا۔
آنکھوں کی جگہ گہری کھوکھلی سیاہ گڑھے بن گئے۔
چند لمحوں میں وہ دھند میں تحلیل ہو گیا۔

فراز کی آزمائش 🕯

بوا ابھی سنبھلی بھی نہ تھی
کہ دوسری طرف کے دروازے سے
ایک مانوس قہقہہ گونجا۔
یہ آواز فراز کے دل کو چیر گئی۔

...فراز... دروازہ کھولو"
...میں ہوں زارا... تمہاری پہلی محبت
"یاد ہے وعدہ؟"

باشم نے چونک کر فراز کی طرف دیکھا۔
فراز کی آنکھوں میں
کئی پرانے زخم جاگ اٹھے۔
وہ لڑکھڑاتا ہوا دروازے کے قریب گیا۔

"...یہ ممکن نہیں"
اس کے لب کپکپا رہے تھے۔
"...زارا کو مرے ہوئے... دس سال ہو گئے"

آواز پھر گونجی،
اب کی بار نرم اور گداز۔

...فراز... بس ایک لمحے کے لئے آ جاؤ"
"...میں وہیں ہوں جہاں ہم ملتے تھے"

دروازے کے نیچے سے
کسی مہنگے عطر کی خوشبو آنے لگی۔
وہی خوشبو
جو زارا کے ساتھ اس کی پہلی ملاقات میں تھی۔

فراز کے قدم خود بخود آگے بڑھنے لگے۔

باشم اور کریم چاچا کا مقابلہ ✂

باشم نے تیزی سے فراز کو پیچھے کھینچا۔
"یہ تمہیں لے جائے گی"

کریم چاچا نے دیوار سے ٹنگا ہوا
پرانا تانبے کا چراغ اٹھایا
اور بلند آواز میں آیات پڑھنے لگے۔

دروازہ زوردار دھماکے سے لرزے لگا۔
کھڑکیوں کے شیشے کانپنے لگے۔
چراغ کی روشنی ایک دم نیلی ہو گئی۔

پھر باہر سے وہی عورت نما مخلوق
:چیخ کے ساتھ بولی
...ہمیں مت روکو"
"...یہ ہمارا حق ہے"

یہ الفاظ دیواروں کے اندر تک گونج گئے۔
ایک لمحے کو ایسا لگا
کہ پورا مکان سانس لے رہا ہو۔



فجر سے پہلے کی گھڑیاں

کریم چاچا نے سب کو دائرے میں کھڑا کیا
اور اونچی آواز میں کہا
"سب کے سب سورۃ یسین پڑھو"

دھند کی چیخیں
اور تانبے کے چراغ کی نیلی روشنی
ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں۔
کمرہ تھرتھرانے لگا۔

آخر کار اذانِ فجر کی پہلی صدا بلند ہوئی۔
نیلی روشنی سفید ہو گئی
دروازے کا لرزنا تھم گیا
اور باہر کی دھند پیچھے ہٹنے لگی۔

سب لوگ پسینے میں شرابور
سانسیں بحال کرنے لگے۔
فراز زمین پر گر گیا
اور سسکتے ہوئے بولا
یہ... یہ سب کیسے جانتے ہیں "
ہمارے دل کی کمزوریاں؟

کریم چاچا نے سرد آہ بھری
یہی ان کی طاقت ہے۔"
یہ مخلوق تمہاری یادوں کو چبا کر
تمہارے خوف میں بدل دیتی ہے۔

باب 13 - رازوں کی کھوج

صبح کی پہلی کرن ابھی پوری طرح
زمین کو چھو بھی نہ پائی تھی
کہ ہاشم کی آنکھ کھل گئی۔
رات بھر کے خوف نے
اس کی نیند کو بکھیر دیا تھا
لیکن دل کے کسی کونے میں
ایک نیا عزم بھی جاگ اٹھا تھا۔

آج اسے
اس پراسرار کالونی کا راز جاننا تھا۔



سنسان گلیاں اور خاموش نشانیاں

ہاشم نے آمنہ کو ساتھ لیا
اور دونوں آہستہ آہستہ

کالونی کے پرانے حصے کی طرف چل پڑے۔
یہ حصہ باقی جگہوں سے
زیادہ خاموش اور خوف زدہ لگ رہا تھا۔
گھروں کی دیواروں پر
، پرانے وقت کی نمی کے داغ
، جھولتی کھڑکیاں
اور زمین پر بکھرے ٹوٹے برتن
کسی گزرے حادثے کی گواہی دے رہے تھے۔

ہر قدم پر
، ہوا میں ہلکی ہلکی سرگوشیاں سنائی دیتیں
جیسے دیواریں
اپنے اندر چھپے درد کو بیان کر رہی ہوں۔

آمنہ نے دھیمی آواز میں کہا
"یہ جگہ... باقی حصے سے الگ کیوں لگتی ہے؟"

باشم نے ارد گرد نظر دوڑائی۔
ایسا لگتا ہے جیسے "
"یہاں وقت بہت پہلے رک چکا ہو۔"

پرانی عمارت کی دریافت 🏠

کچھ دور چلنے کے بعد
انہیں ایک بوسیدہ عمارت نظر آئی۔
چھت کا آدھا حصہ ٹوٹ چکا تھا
اور لکڑی کے دروازے پر
زنگ آلود قفل آہستہ آہستہ ہل رہا تھا۔

باشم نے قفل کو پرکھا۔
یہ بہت پرانا تھا
مگر عجیب بات یہ تھی
کہ ہلکی سی ضرب سے ہی ٹوٹ گیا۔

، دروازہ چرچراتے ہوئے کھلا
اندر سے سڑاند کی تیز مہک نکلی۔

ان دونوں نے کپڑے سے
اپنے منہ ڈھانپ لیے اور اندر داخل ہوئے۔

فرش کے نیچے چھپی تحریریں ✍️

عمارت کے اندر اندھیرا ایسا تھا
جیسے روشنی نے کبھی یہاں قدم نہ رکھا ہو۔
باشم نے ٹارچ جلائی۔
ٹارچ کی پتلی روشنی میں

زمین پر کچھ عجیب و غریب نقش دکھائی دیے۔
گول دائروں میں بنے
عجیب علامتی نشانات
اور درمیان میں
پرانے اردو رسم الخط میں
کچھ مٹے مٹے جملے لکھے تھے۔

آمنہ جھک کر پڑھنے لگی

، جو اس سرزمین پر قدم رکھے "
وہ وقت کے شکنجے میں قید ہو جائے۔
یہ در بند ہیں
"یہ راہیں بے واپسی ہیں۔

آمنہ کے لب کپکپانے لگے۔
"ایہ... یہ تو جیسے ہمارے حال کی کہانی ہے"

ہاشم نے سنجیدگی سے کہا
...یہ سب پہلے بھی کسی کے ساتھ ہوا ہے "
...یہ کالونی کوئی عام جگہ نہیں
"یہ شاید ایک جال ہے۔

دیوار پر خون کے دھبے 🔥

ٹارچ کی روشنی
جب دیوار کے بائیں حصے پر پڑی
تو آمنہ کی سانس رک گئی۔
دیوار پر پرانے خون کے چھینٹے
اب بھی جمی ہوئی شکلوں میں موجود تھے۔
ایسا لگ رہا تھا
جیسے کسی نے باتھ کی انگلیوں سے
یہاں سے باہر نکلنے کی کوشش کی ہو۔

ایک دھندلا سا نقشہ
اسی خون سے بنا تھا
جو جنگل کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

ہاشم نے نقشے کو غور سے دیکھا۔
...یہ راستہ "
شاید وہی ہے جو میں پہلی رات چل رہا تھا۔
"لیکن... یہ جنگل کے اندر کسی اور جگہ لے جا رہا ہے۔

آمنہ کی آنکھوں میں خوف اتر آیا۔
کیا تمہیں لگتا ہے "
...یہی وہ جگہ ہے جہاں
"یہ مخلوق پیدا ہوئی؟

باشم نے سر بلایا۔
یا پھر وہ جگہ "
"جہاں یہ سب شروع ہوا تھا۔

● عمارت کا زندہ ہونا

اچانک فرش کے نیچے سے
ہلکی ہلکی تھپ تھپ کی آواز آئی۔
ایسا لگا جیسے
کوئی نیچے سے دروازہ پیٹ رہا ہو۔

پھر دیواروں سے
—کھسر پھسر کی آوازیں ابھرنے لگیں
...تم سچ جاننا چاہتے ہو"
"...تو قیمت بھی دینی ہوگی

باشم نے آمنہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا۔
یہ جگہ ہمیں یہاں روکنا چاہتی ہے۔"
"!ہمیں فوراً نکلنا ہوگا

دروازہ خود بخود بند ہونے لگا۔
باشم نے پوری قوت سے دھکا دیا۔
چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھلا
اور دونوں بھاگتے ہوئے باہر نکل آئے۔

عمارت کے باہر پہنچتے ہی
،ان پر ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا پڑا
مگر پیچھے سے ہلکی ہلکی ہنسی
ابھی بھی سنائی دے رہی تھی۔

💡 نئی سمجھ

واپس چلتے ہوئے
باشم نے گہری سوچ میں کہا
...یہ مخلوق صرف رات میں نہیں"
یہ دن میں بھی ہمارے دماغوں میں اتر سکتی ہے۔
یہ ہمیں ڈرا کر
"ہماری کمزوریوں کو طاقت بناتی ہے۔

آمنہ نے لرزتی آواز میں کہا
...تو کیا ہم"
"اس جنگل کے اندر جانا پڑے گا؟

باشم نے سخت لہجے میں کہا
ہاں۔"

یہی وہ جگہ ہے جہاں

اس کالونی کا سارا راز چھپا ہے۔
جب تک ہم وہاں نہیں جاتے
"یہ کھیل ختم نہیں ہوگا۔"

باب 14 - جنگل کا پہلا قدم

رات کی سیاہی آہستہ آہستہ
پورے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔
ہوا میں عجیب سی نمی اور بوسیدہ مٹی کی مہک تھی۔
پی آئی بی کالونی کی گلیاں
—آج پہلے سے زیادہ خاموش تھیں
گویا ہر اینٹ اور ہر دیوار
کسی آنے والے طوفان کو محسوس کر رہی ہو۔


باشم نے باقی خاندانوں کے بڑے افراد کو
چھوٹے سے پرانے ہال میں جمع کیا۔
چراغ کی مدھم روشنی میں
چہرے زرد اور آنکھیں ڈری ہوئی لگ رہی تھیں۔

ہم نے آج صبح "
"ایک پرانی عمارت میں نشانیاں دیکھی ہیں
باشم نے مدھم مگر مضبوط آواز میں کہا۔
وہ نقشہ جنگل کے اندر کسی جگہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔"
مجھے لگتا ہے کہ یہیں
"اس مخلوق کی شروعات کا راز چھپا ہے۔"

بوڑھی سلمیٰ بی بی نے کپکپاتی آواز میں کہا
بیٹا، رات میں جنگل؟"
"یہ تو موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے

:جاوید نے گہری سانس لے کر کہا
لیکن اگر یہی واحد راستہ ہے "
جس سے ہم یہ قید توڑ سکتے ہیں
"تو ہمیں یہ خطرہ مول لینا ہی ہوگا۔"

باشم کی آنکھوں میں
وہی عزم جھلک رہا تھا جو
اسے پہلی رات سے زندہ رکھے ہوئے تھا۔
ہم گروپ کی صورت میں جائیں گے۔"
کوئی تنہا نہیں ہوگا۔
"جو بھی ہوگا—ہم سب ایک ساتھ سامنا کریں گے۔"

جنگل کی دہلیز 

آدھی رات کے قریب
سات لوگوں کا قافلہ
کالونی کے زنگ آلود گیٹ کے قریب جمع ہوا۔
باشم نے آگے بڑھ کر
گیٹ کی زنجیر آہستہ آہستہ کھولی۔
چرچراہٹ کی آواز
رات کے سنائے میں
کسی نوحے کی طرح گونجی۔

گیٹ کے پار جنگل کا دہانہ
ایک سیاہ سمندر کی طرح پھیلا ہوا تھا۔
ٹارچ کی روشنی میں
درختوں کے تنے لمبی، مڑی ہوئی انگلیوں کی طرح
آسمان کی طرف بڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔

آمنہ نے ہلکی آواز میں کہا
"یہ جگہ... سانس بھی بھاری کر دیتی ہے۔"

باشم نے ٹارچ آگے کی طرف کی۔
سب ایک دوسرے کے قریب رہیں۔
"آواز کم سے کم رکھیں۔"

غیر مرئی آنکھیں 🍂

جیسے ہی وہ جنگل میں داخل ہوئے
ہوا کا درجہ حرارت بدلنے لگا۔
کبھی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا
، اچانک تیز سانس جیسی لگتی
کبھی خشک پتے
ایسے چرچراتے
جیسے کوئی ننگے پاؤں پیچھے پیچھے چل رہا ہو۔

جاوید نے سرگوشی کی
"...یہاں کوئی ہے"

باشم نے فوراً ہاتھ کے اشارے سے
سب کو خاموش کرایا۔
—اس نے ٹارچ ایک جھاڑی کی طرف گھمائی
مگر وہاں صرف ہوا کی ہلچل تھی۔

لیکن جیسے ہی وہ آگے بڑھے
دائیں طرف کے درخت سے
ایک ہلکی سی ہنسی سنائی دی۔
...ایک معصوم، انسانی ہنسی
بلکل بچوں جیسی۔

آمنہ نے ہاشم کا بازو پکڑ لیا۔


"یہ... وہی ہے نا؟"

ہاشم کی آنکھوں میں

پہچان کی ایک چمک اتر آئی۔

ہاں... یہ وہی مخلوق ہے۔"

"یہ ہمیں بہکانے کی کوشش کر رہی ہے۔"

پرانہ لیمپ 

چلتے چلتے

انہیں ایک ٹوٹی ہوئی پگڈنڈی ملی۔

پگڈنڈی کے بیچوں بیچ

ایک زنگ آلود لیمپ جل رہا تھا۔

لیمپ کی لو

ہوا کے باوجود مستحکم تھی

جیسے کسی پوشیدہ ہاتھ نے

اسے جلتا رکھا ہو۔

سلمیٰ بی بی کے لب کپکپا گئے۔

"!یہ تو... یہ تو کالونی کے دروازے والا لیمپ ہے"

ہاشم نے قریب جا کر لیمپ کو دیکھا۔

یہ وہی ڈیزائن تھا

مگر کیسے ممکن تھا کہ

یہ لیمپ یہاں آ جائے؟

لیمپ کے نیچے

ایک چھوٹا سا کاغذ پڑا تھا۔

ہاشم نے ٹارچ کی روشنی ڈالی

:اور پڑھا

واپسی کا ہر راستہ"

اُسی طرف لے جاتا ہے

"جہاں سے تم بھاگتے ہو۔"


اچانک لیمپ کی روشنی

لمحے بھر میں بجھ گئی۔

اندھیرا ایسا چھایا

کہ ٹارچ کی روشنی بھی

کمزور محسوس ہونے لگی۔

پہلا حملہ 

پتوں کی سرسراہٹ تیز ہوئی۔

پھر ایک لمبی، خوفناک چیخ

—جنگل میں گونجی
ایسی آواز
جیسے دھات کو کھینچ کر توڑا جا رہا ہو۔

،گروپ میں شامل ایک نوجوان، ریحان
پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔
اچانک کسی نے اس کے کندھے کو
اتنی زور سے پکڑا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔

ٹارچ کی روشنی جیسے ہی
،ریحان کے پیچھے پڑی
سب کے دل دہل گئے۔

—ایک انسان جیسی شبیہ
—بالکل ریحان کے مرحوم بھائی جیسی شکل
اس کے اوپر جھکی ہوئی تھی۔
لیکن اگلے ہی لمحے
،وہ چہرہ پگھلنے لگا
،آنکھیں سیاہ سوراخوں میں بدل گئیں
اور منہ میں لمبے نوکیلے دانت نکل آئے۔

باشم نے فوراً ریحان کو کھینچ کر پیچھے کیا
اور لکڑی کی موٹی شاخ سے
مخلوق پر وار کیا۔
مخلوق ایک دل دہلا دینے والی چیخ مار کر
پیچھے ہٹی اور
اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

ریحان کی سانسیں بے قابو تھیں۔
...یہ... یہ میرا بھائی تھا"
"لیکن... نہیں تھا

:باشم نے سخت لہجے میں کہا
یہ تمہارے خوف کا استعمال کرتے ہیں۔"
یہ کوئی انسان نہیں۔
"!سب محتاط رہیں

● جنگل کے دل کی طرف

حملے کے بعد بھی
قافلہ رکنے کو تیار نہ تھا۔
اب ہر قدم
مزید بھاری مگر پُر عزم تھا۔

:آمنہ نے آہستہ کہا
یہ جنگل... ہر یاد کو"

بتھیار بنا لیتا ہے۔
"ہمیں جلدی کرنی ہوگی۔"

ہاشم نے نقشہ دوبارہ دیکھا۔
ہم قریب ہیں۔"
جنگل کے دل تک پہنچ کر
"ہی ہمیں اصل راز ملے گا۔"

پیچھے سے
—پھر وہی بچوں جیسی ہنسی گونجی
مگر اس بار
:ساتھ ایک دھیمی سرگوشی بھی تھی
"...تمہارا وقت ختم ہونے والا ہے"

باب 15 - محراب کے پار

ہوا میں سردی ایسی رچ گئی تھی
جیسے کسی نے اچانک پورے جنگل کو
برفانی قبر میں بدل دیا ہو۔
پتھریلی محراب کے نیچے
،اندھیرا ایک گھنے بادل کی طرح پھیلا ہوا تھا
جس کے اندر جھانکنا
گویا اپنے ہی خوف میں اترنے کے برابر تھا۔

ہاشم نے سب کو رکنے کا اشارہ کیا۔
یہیں سے اصل سفر شروع ہوتا ہے۔"
،یاد رکھو، جو کچھ بھی دکھائی دے
"کوئی پیچھے نہیں ہٹے گا۔"

ٹارچ کی روشنی
محراب کی دیواروں پر پڑی
تو پتھروں پر کھدی ہوئی تحریریں
—چمکنے لگیں
ایسی تحریریں جو
کسی پرانی تہذیب کی بگڑی ہوئی اردو لگتی تھیں۔

:آمنہ نے کانپتی آواز میں پڑھنے کی کوشش کی
،خوف تمہارا پہلا دروازہ ہے"
،قربانی تمہاری چابی
"اور سچ تمہاری سزا۔"

جاوید نے گھبرا کر پیچھے دیکھا۔
"ایہ... سزا لکھا ہے"

باشم نے گہری سانس لی۔

سچ تک پہنچنے کے لیے "

"بمیں کچھ کھونا پڑے گا۔

● سیاہ سرنگ کا آغاز

محراب کے پار

ایک لمبی اور تنگ سرنگ تھی۔

سرنگ کی چھت سے

پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے

جو نیچے زمین پر پڑ کر

کھوکھلی گونج پیدا کرتے۔

بر گونج

ایسا محسوس ہوتا

جیسے کسی کا نام پکار رہی ہو۔

ریحان نے لرزتی آواز میں کہا

"یہ سرنگ... جیتی جاگتی لگتی ہے۔"

سلمیٰ بی بی نے اپنا دوپٹہ سختی سے لپیٹا۔

بیٹا، پیچھے چلیں؟

"یہ جگہ تو موت سے بھی بدتر ہے۔"

باشم نے نرمی سے مگر مضبوط لہجے میں کہا

یہی وہ راستہ ہے "

"جس سے ہم سب واپس اپنے گھروں تک پہنچ سکتے ہیں۔"

🔥 دیواروں کے عکس

چلتے چلتے

دیواروں پر عجیب و غریب عکس ابھرنے لگے۔

ایک جگہ باشم نے

—اپنے بچپن کا کمرہ دیکھا

، وہی پرانی لکڑی کی الماری

ماں کی آواز کا دھندلا سا عکس۔

اگلے ہی لمحے

یہ سب غائب ہو کر

سیاہ دھبوں میں بدل گیا۔

آمنہ نے اپنی مرحوم ماں کا چہرہ دیکھا۔

، چہرہ مسکرا رہا تھا

لیکن آنکھوں میں

سیاہ خالی گڑھے تھے۔

اس نے چیخ کر آنکھیں بند کر لیں۔

جاوید نے سر جھٹک کر کہا:
یہ مخلوق ہماری یادوں سے کھیل رہی ہے۔"
"یہ ہمیں توڑنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

باشم نے سخت لہجے میں کہا
سب اپنی آنکھوں پر قابو رکھو۔"
"یہ سب دھوکہ ہے

پہلا حقیقی سامنا ⚡

سرنگ کے آخری حصے میں
—اچانک ایک سرسراہٹ گونجی
ایسی جیسے کوئی سانپ
پتھروں پر رینگ رہا ہو۔

ٹارچ کی روشنی میں
آہستہ آہستہ ایک شبیہ ابھری۔
یہ شبیہ انسانی تھی
لیکن جسم کی حرکات
ایسی جیسے ہڈیاں اندر سے مڑ رہی ہوں۔

یہ مخلوق لمبی لمبی ٹانگوں پر
سرنگ کی چھت سے چپکی ہوئی
الٹی لٹک کر آگے بڑھ رہی تھی۔
آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ
—اور منہ سے نکلتی ہلکی ہلکی ہنسی
بلکل انسانی مگر خالی۔

ریحان پیچھے ہٹا۔
"یہ... یہ اصل شکل ہے"

مخلوق نے کھینچی ہوئی آواز میں کہا
تمہیں لگتا ہے "
سچائی تمہیں بچا لے گی؟
"...یہاں ہر سچ موت سے جنم لیتا ہے

باشم نے لکڑی کی مشعل کو مضبوطی سے پکڑا
اور ایک قدم آگے بڑھا۔
ہم موت سے ڈرنے نہیں آئے۔"
"ہم یہاں آزادی لینے آئے ہیں

مخلوق نے ایک دل دہلا دینے والی چیخ ماری
اور پوری رفتار سے ان کی طرف لپکی۔

جنگ کی شروعات 🩸

باشم نے مشعل آگے کی
اور پورے زور سے مخلوق کے چہرے پر دے ماری۔
شعلے کی تپش سے
مخلوق پیچھے ہٹی
لیکن اس کی چیخ سے
پوری سرنگ لرزے لگی۔

دیواروں میں چھپی
چھوٹی چھوٹی شبیہیں
، اچانک ظاہر ہوئیں
— ہر شبیہ مختلف انسان کی شکل میں
، کسی کی کھوئی ہوئی ماں
، کسی کا مردہ بھائی
، کسی کا بچپن کا دوست۔

یہ سب شبیہیں
، قافلے کے اردگرد گھومنے لگیں
ان کے کانوں میں
: دھیمی سرگوشیاں کرنے لگیں
... ہمارے ساتھ آ جاؤ"
" ... یہ درد ختم ہو جائے گا

سلمیٰ بی بی رو پڑیں۔
... یہ میری بیٹی کی آواز ہے"
" ! یہ مجھے بلا رہی ہے

: باشم نے بلند آواز میں کہا
! یہ سب جھوٹ ہے"
، کوئی دروازہ مت کھولو
" ! کوئی پیچھے نہ مڑو

● سرنگ کے آخر کی جھلک

شدید مزاحمت کے بعد
مخلوق اچانک دھوئیں کے بادل میں
غائب ہو گئی۔
اس کے ساتھ ہی
سرنگ کے اختتام پر
ایک ہلکی سی نیلی روشنی ابھری۔

یہ روشنی
کسی بڑے ہال کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔
ہال کے بیچوں بیچ
ایک قدیم پتھر کا تخت تھا
جس پر پرانی زنجیریں لٹک رہی تھیں۔

باشم نے گہری سانس لی۔
...یہی ہے"
یہی وہ جگہ ہے
"جہاں اس کالونی کا راز دفن ہے۔"

باب 16 - تخت کا راز

بال میں داخل ہوتے ہی
سب کے قدم خود بخود رک گئے۔
،یہ جگہ کسی پرانے مندر
کسی جیل، اور کسی قبر
تینوں کا عجیب امتزاج لگ رہی تھی۔
چھت سے لٹکتی زنجیریں
ہلکی ہلکی ہلچل کے ساتھ
ایسی آوازیں پیدا کر رہی تھیں
—جو دل کے اندر تک گونجتی تھیں
جیسے ہر دھات کا ٹکراؤ
کسی ان دیکھی روح کی چیخ ہو۔

بال کے بیچوں بیچ
وہ پتھریلا تخت ایستادہ تھا۔
تخت کے گرد زمین پر
ایک گول دائرہ بنا تھا
جس پر خون کی پرانی دھاریاں
اب بھی کالی لکیروں کی صورت میں
جمی ہوئی تھیں۔
دیواروں پر کندہ نقوش
،اب پہلے سے زیادہ واضح تھے
اور ہر نشان
کسی پرانی قربانی کا منظر دکھا رہا تھا۔

● تخت کے قریب

باشم نے سب کو پیچھے رہنے کا اشارہ دیا
اور آہستہ آہستہ تخت کے قریب بڑھا۔
ہر قدم کے ساتھ
بال کا درجہ حرارت کم ہوتا جا رہا تھا۔
سانسیں سفید دھوئیں کی صورت میں
ہوا میں معلق ہو رہی تھیں۔

اچانک تخت کے نیچے سے
ہلکی سی کھڑکھڑاہٹ ابھری۔
یوں لگا جیسے
کئی ہاتھ پتھر کے نیچے رینگ رہے ہوں۔

آمنہ نے خوفزدہ آواز میں کہا
"باشم... یہ مت کرو"

باشم نے پیچھے دیکھے بغیر جواب دیا
یہی وہ مرکز ہے"
جہاں سے یہ سب شروع ہوا تھا۔
اگر ہم نے یہاں کا راز جان لیا
"تو شاید یہ لعنت ختم ہو جائے۔"

⚡ ماضی کی جھلکیاں

تخت کے اوپر
اچانک ایک دھندلا سا عکس ابھرا۔
یہ عکس آہستہ آہستہ
ایک قصے کی شکل لینے لگا۔

—سب نے دیکھا
کئی صدیوں پہلے
یہ جگہ ایک چھوٹا سا قبیلہ تھا
جہاں لوگ
زمین کی زرخیزی کے لیے
انسانی قربانیاں دیتے تھے۔
بر سال
بارش کی دعا کے وقت
ایک خاندان کا سربراہ
اپنے پیارے کو
تخت کے دائرے میں کھڑا کرتا
اور "پردیسی محافظ" کے نام پر
قربانی دیتا۔

لیکن ایک سال
قربانی کے لیے منتخب لڑکی
قبیلے کی سردار کی اپنی بیٹی تھی۔
سردار نے رسم توڑ دی
قربانی دینے سے انکار کیا۔
اسی دن
آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے
زمین پھٹ گئی
اور قبیلے کے سب لوگ
اندھیروں کی مخلوقات میں بدل گئے۔

یہی مخلوقات
وقت کے ساتھ
اپنی شکل بدل کر

—انسانی بستیوں میں گھومنے لگیں
وہی جو اب
پی آئی بی کالونی کے نام سے جانی جاتی ہے۔

تخت کی زنجیریں

اچانک تخت کی زنجیریں
خود بخود ہلنے لگیں۔
ہر زنجیر
ایسی آواز پیدا کر رہی تھی
جیسے کسی انسان کی ہڈی ٹوٹ رہی ہو۔
بال کے کونے میں کھڑی سلمیٰ بی بی نے
اپنے کان بند کر لیے۔

—جاوید نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا
زنجیروں کے سروں پر
،چھوٹے چھوٹے انسانی ہاتھوں جیسے نشان تھے
ایسے جیسے
ہزاروں لوگوں نے
اپنے خون سے ان زنجیروں کو چھوا ہو۔

ریحان نے دھیمی آواز میں کہا
یہ تخت... زندہ ہے۔"
"یہ اپنی اگلی قربانی مانگ رہا ہے۔

مخلوق کی واپسی

اس لمحے
بال کی فضا میں
ایک زوردار دھماکہ گونجا۔
،نیلی روشنی اچانک سیاہ ہو گئی
اور وہی لمبی لمبی ٹانگوں والی
انسان نما مخلوق
تخت کے پیچھے سے نمودار ہوئی۔

لیکن اس بار
—وہ پہلے سے کہیں زیادہ خوفناک تھی
اس کی آنکھوں سے
،کالا دھواں نکل رہا تھا
اور اس کا جسم
ایسے مڑ رہا تھا
جیسے کسی نے
اندر کی ہر ہڈی کو توڑ کر
نئے زاویے پر جوڑ دیا ہو۔

مخلوق نے کھینچی ہوئی آواز میں کہا

قربانی کے بغیر"

یہ دائرہ مکمل نہیں ہوگا۔

...اپنے میں سے ایک دو

ورنہ سب کے جسم

"میری خوراک بن جائیں گے۔

فیصلہ کا لمحہ ✂

باشم نے تیزی سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

ان سب کے چہرے

خوف اور پسینے سے بھیگے ہوئے تھے۔

جاوید کی آنکھوں میں

ہلکی سی بغاوت جھلک رہی تھی۔

ریحان ہونٹ کاٹ رہا تھا۔

سلمیٰ بی بی کے آنسو رک نہیں رہے تھے۔

باشم نے ایک لمحے کے لیے

،اپنی جیب سے پرانی مشعل نکالی

جو اب تقریباً بجھ چکی تھی۔

،یہ تخت طاقت چاہتا ہے"

لیکن ہمیں یہ طاقت نہیں دینی۔

"ہم سب مل کر لڑیں گے۔

مخلوق نے ایک کڑکتی چیخ ماری

اور تخت کی زنجیروں کو کھینچ کر

ہوا میں اچھال دیا۔

،زنجیریں آگ کے شعلوں میں بدل گئیں

اور بال کا ہر کونا

گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

باب 17 - قربانی یا آزادی؟

بال اب مکمل اندھیرے میں ڈوب چکا تھا۔

صرف تخت کے اوپر لگی سرخ آنکھیں

جلتی ہوئی انگاروں کی طرح

بار بار جھپک رہی تھیں۔

ہر جھپک کے ساتھ

،بال کے پتھر لرزتے

،زنجیریں بجتی

اور فرش کے نیچے سے

ایسا شور آتا

جیسے ہزاروں لاشیں

ایک ساتھ کروٹ لے رہی ہوں۔

باشم نے سانس اندر کھینچی

اور چیخ کر کہا

"!سب ایک دائرے میں آ جاؤ"

جاوید نے تیزی سے

ریحان اور سلمیٰ بی بی کا ہاتھ پکڑا۔

آمنہ نے خوف کے مارے

اپنے ہونٹ کاٹ لیے۔

—ان سب نے ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے

جیسے یہ گرفت

ان کے وجود کی آخری ڈور ہو۔

● زنجیروں کی گرفت

تخت کی زنجیریں اب

زندہ سانپوں کی طرح

ان کے پیروں کے گرد لپٹ رہی تھیں۔

ہر زنجیر میں

ایسا زہر بھرا تھا

جس سے جلد جلنے لگتی۔

ریحان نے کراہتے ہوئے کہا

"!یہ... ہمیں اندر کھینچ رہی ہیں"

باشم نے اپنے کندھے سے

ایک بھاری پتھر توڑ کر

زنجیر پر مارا۔

چنگاریوں کی ایک بارش اٹھی

لیکن زنجیر ٹوٹی نہیں۔

مخلوق کی کڑکتی ہوئی آواز

:ہال میں گونجی

...ایک جان دو"

یا سب کی جانیں لے لو۔

"!یہی قانون ہے

⚡ انتخاب کا بوجھ

خاموشی چھا گئی۔

سب کے چہروں پر

درد اور سوال گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

:سلمیٰ بی بی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے

...میں... میں تیار ہوں"

...میری زندگی ویسے بھی ختم ہو چکی ہے

"...میرا بیٹا... وہ
وہ روتے روتے رک گئی۔

ریحان نے فوراً کہا
"نہیں"
یہ قانون انہی عفریتوں نے بنایا ہے۔
"ہم قربانی نہیں دیں گے"

جاوید نے دانت پیستے ہوئے کہا
لیکن اگر ہم نے انکار کیا"
"تو یہ سب کو چیر پھاڑ دیں گے"

باشم نے سب کی طرف دیکھا۔
اس کی آنکھوں میں
ڈھیٹ عزم چمک رہا تھا۔
یہ تخت صرف خوف سے جیتا ہے۔"
قانون تب تک قائم رہتا ہے
جب تک ہم اس پر یقین کرتے ہیں۔
ہم نہیں مانیں گے۔
"ہم اس کے دائرے کو توڑیں گے۔"

آخری مشعل 🔥

باشم نے اپنی جیب سے
وبی پرانی مشعل نکالی
جو اس نے پہلی رات سنبھالی تھی۔
اب اس میں صرف
تھوڑا سا تیل باقی تھا۔

"یہ مشعل"
،باشم نے آہستہ سے کہا
"اس تخت کے آغاز کو جلانے کے لیے کافی ہے۔"

اس نے جاوید اور ریحان کو اشارہ کیا۔
تینوں نے ایک ساتھ
مشعل کو تخت کے نیچے رکھے
خون آلود پتھروں پر رگڑا۔
—چنگاریاں اٹھیں
،پہلے نیلی
،پھر سنہری
پھر اچانک سرخ شعلہ بھڑک اٹھا۔

بال کی فضا
ایک دم لرزنے لگی۔
،زنجیریں تیزی سے ہلنے لگیں

اور تخت کے اندر سے
کئی بھدی چیخیں گونجنے لگیں۔

● مخلوق کی چیخ

وہی سرخ آنکھوں والی مخلوق
تخت کے پیچھے سے لپک کر سامنے آئی۔
اب اس کا جسم
پگھلتے تار کی طرح بہہ رہا تھا۔
اس کی آنکھوں سے
کالا دھواں نکل کر
چھت سے ٹکرا رہا تھا۔

"تم نے قانون توڑ دیا"
مخلوق کی آواز
زمین کے دل سے اٹھتی گرج کی طرح تھی۔

باشم نے چیخ کر کہا
"ایہ زمین اب آزاد ہے"

مشعل کا شعلہ
تخت کے پتھروں میں سرایت کر گیا۔
چند ہی لمحوں میں
پوری زمین میں دراڑیں پڑ گئیں۔
کالے دھوئیں کی دیواریں
بال سے باہر نکلنے لگیں۔

—مخلوق نے ایک آخری چیخ ماری
ایسی چیخ
جس سے ہر کان کا پردہ پھٹنے لگا۔
پھر اس کا جسم
ہزاروں ذرات میں بکھر کر
ہوا میں تحلیل ہو گیا۔

🌅 صبح کا آغاز

چند لمحوں بعد
بال میں مکمل خاموشی چھا گئی۔
زنجیریں ٹوٹ کر فرش پر گر چکی تھیں۔
تخت کا پتھر
راکھ بن چکا تھا۔

باشم نے سانس بھرتے ہوئے
اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

، سب کے چہرے پسینے اور آنسوؤں سے تر تھے
مگر آنکھوں میں روشنی تھی۔

، دور کہیں
، پہلی بار
کئی مہینوں بعد
پرنندوں کی چہچاہٹ سنائی دی۔
— یہ سورج کی پہلی کرن تھی
آزادی کی علامت۔

ریحان نے کانپتی آواز میں کہا
"کیا... کیا یہ ختم ہو گیا؟"

ہاشم نے آہستہ سے جواب دیا
"...ہاں"
اب یہ جگہ آزاد ہے۔
"یہ تخت دوبارہ کبھی نہیں جاگے گا۔"

باب 18 - واپسی کا سفر

بال سے باہر قدم رکھتے ہی سب نے ایک ساتھ گہرا سانس لیا۔
بوا میں اب وہی سڑاند نہیں تھی جو ہر وقت گلے کو جکڑ لیتی تھی۔
— مٹی کی ہلکی خوشبو، سنہری دھوپ کی کرنیں
یہ سب دیکھ کر سب کے چہرے پر پہلی بار مسکراہٹ آئی۔

ہاشم نے آسمان کی طرف دیکھا۔
"یہ... یہ واقعی ختم ہو گیا؟"
ریحان کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی۔
سب کے دلوں میں ایک ہی احساس تھا
آزادی۔

کھلا بوا دروازہ

پی آئی بی کالونی کا پرانا مرکزی دروازہ
اب آدھا کھلا ہوا تھا۔
جاوید نے ہلکا سا دھکا دیا تو دروازہ چرچراتے ہوئے مکمل کھل گیا۔
— سامنے ایک جنگل تھا
سبز درخت، پرندوں کی آوازیں، نرم دھوپ۔
یہ منظر ان کے خوابوں جیسا تھا۔

چلو... گھر چلتے ہیں۔ "ہاشم نے آہستہ کہا۔"

سب آگے بڑھنے لگے۔
...راستے میں گلابی پھولوں کی خوشبو، پرندوں کی چہچہاہٹ
ایک لمحے کو لگا جیسے وہ ایک نئی دنیا میں قدم رکھ رہے ہوں۔

لیکن جتنا وہ چلتے گئے
راستہ عجیب طرح سے دائرے میں مڑنے لگا۔
—ایک گھنٹہ، دو گھنٹے، تین گھنٹے
ہر طرف ایک ہی جیسے درخت، ایک جیسی خوشبو
—اور آخر کار

● وہی کالونی

سلمیٰ بی بی نے سب سے پہلے دیکھا
”ایہ... یہ تو ہمارا گیٹ ہے“
سب کے قدم رک گئے۔
سامنے وہی زنگ آلود آہنی گیٹ
وہی دیواریں، وہی ٹوٹا ہوا بلب۔

ریحان چیخ اٹھا
”ایہ ناممکن ہے! ہم تو باہر نکل گئے تھے“

باشم کے دل میں بجلی کوند گئی۔
—انہوں نے گیٹ کی زنجیر کو پرکھا
اب یہ پہلے سے بھی زیادہ ٹھنڈی اور بھاری تھی
جیسے کسی نے دروازہ بند کر دیا ہو۔

● خوف کی پہلی آہٹ

اچانک زمین کے نیچے سے ہلکی ہلکی دھمک سنائی دینے لگی۔
پہلے لگا شاید ان کے قدموں کی بازگشت ہو
پھر دھمک کے ساتھ ایک مدہم سرگوشی گونجی
”...واپس آگئے... خوش آمدید“

آواز نہ مرد کی تھی، نہ عورت کی
بلکہ کسی گہرے کھوکھلے غار کی۔

جاوید نے کانپتے ہوئے کہا
”ہم... ہم کبھی باہر نہیں نکلے۔“
”ایہ سب بس ایک... جال تھا“

● نئی مخلوقات کی آمد

اگلے ہی لمحے دھند دوبارہ گہری ہونے لگی۔
درختوں کے پیچھے سے ایسے سائے نکلے
جنہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
—یہ مخلوقات پرانی نہیں تھیں
ان کے جسم انسانی مگر سر جانوروں جیسے
آنکھیں سفید مگر اندر سرخ روشنی۔
ان کے قدم زمین پر پڑتے نہیں تھے
بلکہ فضا میں تیرتے ہوئے قریب آ رہے تھے۔

ریحان نے ہلکی آواز میں کہا

”یہ... پہلے والے نہیں ہیں۔“

”...یہ کچھ اور ہیں

● پہلا وار

، عفان کا چھوٹا بچہ جوش میں آگے بڑھا

”—امی، یہ لوگ ہمیں کچھ نہیں کریں گے، یہ تو“

جملہ مکمل ہونے سے پہلے

ایک مخلوق جھپٹی اور بچے کو

ہوا میں کھینچ کر اندھیرے میں لے گئی۔

، بس ایک چیخ

اور خاموشی۔

سب کے دلوں کی دھڑکن رُک گئی۔

سلمیٰ بی بی زمین پر گر کر چیخنے لگیں۔

باشم نے سب کو پیچھے دھکیلا

”!سب اندر! گیٹ کے اندر واپس جاؤ“

مگر اندر جانا اب آسان نہ تھا۔

گیٹ خود بخود آہستہ آہستہ بند ہو رہا تھا۔

، زنجیریں کھڑکھڑا رہی تھیں

جیسے کسی نے انہیں قید کر لیا ہو۔

● افراتفری

ہر کوئی جان بچانے کے لئے دوڑ رہا تھا۔

کچھ لوگ دیواریں پھلانگنے لگے

مگر دیوار کی اینٹیں ہاتھ لگتے ہی

زندہ گوشت کی طرح حرکت کرنے لگیں۔

، ان کے اندر سے چیچی سیاہ رطوبت بہنے لگی

اور جنہوں نے چھونے کی کوشش کی

وہیں چپک کر رہ گئے۔

■ باشم کی چیخ

باشم نے آسمان کی طرف دیکھ کر گرجدار آواز میں کہا

”...یہ جگہ ہمیں کبھی جانے نہیں دے گی“

”!یہ ایک زندہ قید خانہ ہے

اگے کے باب میں